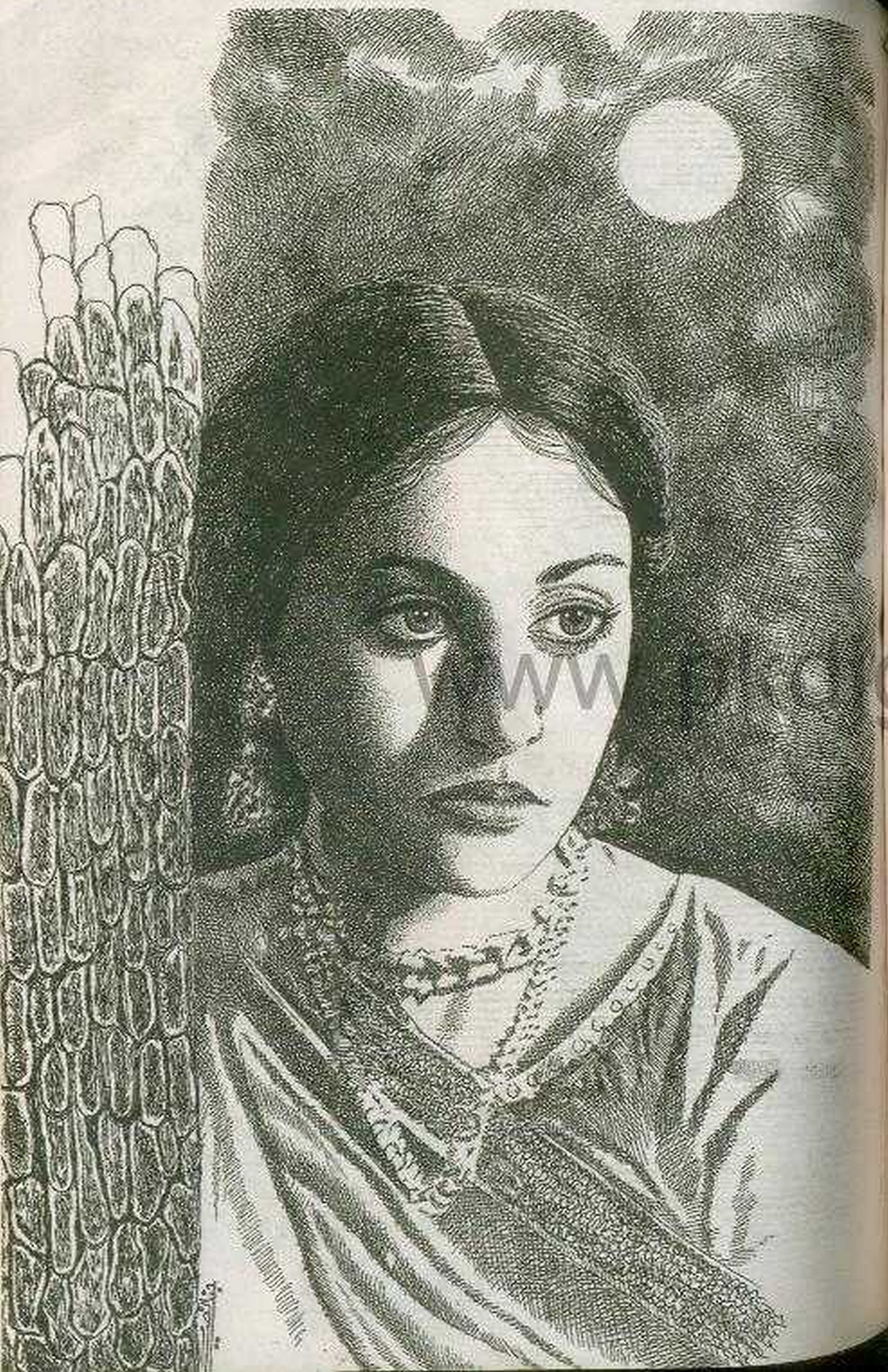

گمشدہ رقعت

# محبت ہمسفر میری

مکمل ناول

"اماں! آپ بھی کبھی کبھار میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔ فیڈرر اور نڈال کا کیا زبردست میچ آرہا تھا اور آپ مجھے زبردستی اٹھا کر یہاں لے آئیں۔"

کوفت اور بےزاری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ ہر پانچ منٹ بعد کرسی پر پہلو بدل کر وہ اماں سے یہی شکوہ دوہرا رہا تھا اور اماں جو اب تک اسے "بس تھوڑی دیر کی بات ہے چندا!" کہہ کر پچکارتی آرہی تھیں۔ اب ان سے بھی مزید ضبط نہ ہو سکا تب ہی خفگی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"غلطی ہو گئی بیٹا! اس بار معاف کردو' آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں دُہراؤں گی۔" اور وہ جو ماش کی دال کی طرح اینٹھتے ہی جا رہا تھا' شرمندہ سا ہو گیا۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں اماں! کہ ایسی محفل میں ہم کتنے مس فٹ سے لگ رہے ہیں۔ یوں ایک کونے میں اجنبیوں کی طرح بیٹھ گئے ہیں۔ میری تو خیر ہے لیکن کوئی آپ کو یوں نظرانداز کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

اس نے اس بار اپنی جھنجلاہٹ اور کوفت کی اصل وجہ بتا ڈالی۔

"تو بھلا کس نے نظرانداز کیا ہے ہمیں 'تقریباً' سبھی لوگ باری باری آکر مل گئے ہیں۔ وہ تو میرے گھٹنوں کے درد نے ایک جگہ بٹھا رکھا ہے ورنہ جیسے سب چل پھر رہے ہیں' میں بھی اِدھر اُدھر سب میزوں کا چکر لگاتی۔ تمہیں خوامخواہ محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی ہمیں اہمیت نہیں دے رہا۔" اماں نے اس کے اعتراض کو چنداں اہمیت نہ دی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اپنی بھولی ماں کو دیکھ کر رہ گیا۔

شہر کے بہترین میرج ہال میں اس وقت ممتاز صنعت کار احسان احمد کی بیٹی کی شادی کی تقریب منعقد ہو رہی تھی اور احسان صاحب اتفاق سے اس کی اماں کے فرسٹ کزن تھے۔ شادی سے محض چار دن پہلے جب سب رشتہ داروں میں کارڈ بٹے بھی ہفتوں ہو چکے تھے' جانے احسان صاحب کو اپنی بھولی بسری خالہ زاد بہن کی یاد کیسے آگئی کہ انہوں نے ڈرائیور کے ہاتھ ایک کارڈ انہیں بھی بھجوا دیا اور اماں کو تو سو فیصد یقین تھا کہ احسان بھائی انہیں بھول ہی نہیں سکتے' سو جھٹ پٹ انہوں نے شادی میں شرکت کی تیاری کرلی۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں اماں! انہوں نے مروّت میں دعوت نامہ بھجوایا اور اب سچ مچ چلنے کی تیاری کر بیٹھیں۔" وہ اماں کے شادی میں شرکت کے فیصلے پر جزبز ہو رہا تھا۔

"تو بیٹا جی! جب انہوں نے مروّت دکھائی تو تمہاری ماں کیا اتنی بے مروّت ہے کہ بلاوے کے باوجود ان کی خوشیوں میں شریک نہ ہو۔" اماں اس سے رسان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"آپ کی شرکت کے بغیر بھی ان کی خوشیاں ادھوری نہیں رہیں گی۔"

وہ چڑ گیا تھا۔ ابّا جو پاس بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے' کافی دیر تک ماں بیٹے کی گفتگو چپ چاپ سنتے رہے پھر آخر رہا نہ گیا تو عینک کے شیشوں کے اوپر سے بیٹے کو جھانکا۔

"کیا بات ہے عمر! تم آخر کیوں نہیں چاہتے کہ تمہاری ماں وہاں جائے؟"

"اس لیے کہ میری ماں کے وہاں جانے' نہ جانے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا' بلکہ اس تقریب میں اماں بالکل مس فٹ لگیں گی۔ آپ جانتے بھی ہیں کہ کیدر رنگ کس ٹائپ کی ہوگی۔ شہر کا الٹرا ماڈرن طبقہ مدعو ہوگا۔ اماں جب اپنی ڈھائی گز کی چادر لپیٹ کر جائیں گی تو میزبان بے چارے بھی باقی مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہو جائیں گے۔ آپ کو نہیں پتہ ابّا! یہ لوگ کتنے اسٹیٹس کانشس ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا یار! کہ تم اس انداز سے سوچتے ہو۔" ابّا نے اسے تاسف سے دیکھا تھا' وہ جھلا کر رہ گیا۔

"اچھا جو آپ لوگوں کی مرضی' مجھے کیا۔"

"دیکھ رہے ہیں ناعمر کے ابّا! کیسے بلاوجہ خفا ہو رہا ہے۔ میرے اپنے بھائی تو دنیا میں رہے نہیں' اللہ نے سب کو ہی اپنے پاس بلوانے میں بہت جلدی کی۔ میکے کی آخری نشانی یہی احسان بھائی ہیں۔ اکلوتی بیٹی کی شادی ہے ان کی۔ کتنا برا مانیں گے اگر میں نہ گئی تو۔" اماں جذباتی سی ہو گئی تھیں۔

"اس سے پہلے تو احسان صاحب کو کبھی آپ کی یاد نہیں آئی۔ اگر وہ آپ کے میکے کی آخری نشانی ہیں تو آپ بھی ان کی سگی خالہ کی بیٹی ہیں۔ مجھے تو ان کی شکل تک یاد نہیں۔"

اس بار اس نے کسی قدر مبالغے سے کام لیا تھا اور اماں بھی اس غلط بیانی کو برداشت نہ کر پائیں' جبھی چمک کر بولی تھیں۔

"پچھلی عید پر عید کی نماز پڑھتے ہی احسان بھائی سب سے پہلے مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"کیونکہ ہمارا گھر شہر کی مرکزی عید گاہ کے پچھواڑے میں ہے۔" وہ جل کر بولا۔

"اُفوہ۔ کس فضول کی بحث میں الجھ گئے ہو تم دونوں ماں بیٹا۔" ابّا اکتا کر بولے۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں بحث میں نہیں پڑ رہا۔ بس بتائے دے رہا ہوں کہ اگر اماں جائیں گی تو آپ کے ساتھ ہی جائیں گی' میں ہرگز ساتھ نہیں جاؤں گا۔" اس نے کسی پیشگی خطرے کے پیش نظر متنبہ کیا۔

"ہاں ہاں میں اور تمہارے ابّا ہی جائیں گے۔ تمہاری منتیں کون کرے گا۔"

اماں نے ناراضی سے بیٹے کو دیکھا مگر جب وہ دن آیا تو وہی ہوا جس کا اسے خدشہ تھا۔ ابّا کو عین تقریب والے دن بخار ہو گیا۔



"میں دوا لے کر تھوڑی دیر کو لیٹ رہا ہوں۔ تم نے جب جانا ہو مجھے اٹھا دینا۔" ابّا اماں کو تاکید کرتے ہوئے لحاف تان کر سو گئے۔

وہ آفس سے واپسی پر حسب عادت ٹی وی آن کر کے ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔ اماں اپنے روزمرہ کے کام نمٹاتی رہیں۔

"ابّا کو اٹھا دیں' آپ کو جانا نہیں ہے کیا۔" اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے ماں کو مخاطب کیا۔

"اب کیا تمہارے ابّا کو بے آرام کروں' ویسے بھی موسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ بخار کے ساتھ نزلہ' زکام بھی نہ ہو جائے۔ میں تمہارے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" اماں اس دن کی بات یکسر بھلا چکی تھیں' اس لیے آرام سے اسے آگاہ کیا۔

"میرا بہت اچھا میچ مس ہو جائے گا' میں ہرگز نہیں جا سکتا۔" اس نے دو ٹوک انکار کیا۔

"اچھا تم بیٹھے رہو بیٹا' عفی چھوڑ آئے گا مجھے۔"

"ہرگز نہیں' عفی میری بائیک کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ چلانی آتی نہیں' کہیں ٹھوک آئے گا۔"

"آپ ہاتھ لگانے دیں گے تو ہی چلانی آئے گی نا! میرے ساتھ کے سب لڑکے بائیک دوڑاتے پھرتے ہیں۔" عفی خفگی سے بڑبڑائے بنا نہ رہ سکا۔ اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی ان سنی کر دی۔

"بس پھر تو تم کو ہی جانا پڑے گا۔ بتاؤ کون سے کپڑے پہن کر جانے ہیں۔ عفی بھائی سے پوچھ کر کپڑے استری کر دے۔ میں اتنے تم لوگوں کی روٹیاں ڈال دوں۔ سالن بنا دیا ہے' ابّا اٹھیں تو دودھ ڈبل روٹی دے دینا۔ ویسے تو اب مشکل ہی اٹھیں گے۔ تم دونوں بھائی کھانا کھا کر چائے بنا لینا' باہر دروازے پر ہم تالا لگا کر جائیں گے' چابی اپنے ساتھ ہی لے جائیں گے۔ اگر دیر سویر ہوئی تو تم لوگوں کو نیند میں اٹھ کر دروازہ کھولنا نہ پڑے۔"

اماں پورا پروگرام دے چکی تھیں' وہ صرف منہ کھولے انہیں سنتا رہا۔

"بتائیں بھائی کون سے کپڑے استری کروں؟" بھائی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر عفی کو ہنسی تو بہت آئی تھی مگر وہ اپنی شامت نہیں بلوانا چاہتا تھا۔ سو ہنسی چھپاتے ہوئے بڑی تابعداری سے دریافت کیا۔ وہ ریموٹ پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا اب زیادہ شور شرابہ مچانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ابّا سو رہے ہیں۔" اماں اس کا غصہ نظرانداز کرتی ہوئیں پھر باورچی خانے میں جا گھسیں اور وہ پیچ و تاب کھاتا اپنے کمرے میں۔

عفی کو کپڑے نکال کر تھماتے اور خود غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے واش روم میں جا کر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

"واہ بھائی آج تو آپ بہت ڈیشنگ لگ رہے ہیں۔" وہ نہا دھو کر تیار ہو گیا تو اجو جو ابھی باہر سے آیا تھا اور ساری صورت حال سے بے خبر تھا' بے ساختہ بھائی کی تعریف کر بیٹھا۔

"پھر؟" اس نے اجو کو کاٹ کھانے والے انداز میں دیکھا تھا۔ اجو بے چارہ بھائی کے بگڑے تیور دیکھ کر حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"میں نے تو ویسے ہی تعریف کی تھی' آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" اس نے سادگی سے بھائی کو پھر سراہا تھا۔

"ماشاء اللہ کہہ دیا کرو۔" اماں جو ابھی کمرے میں آئی تھیں اجو کو ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

بیٹے کا خفا خفا سا وجیہہ سراپا آج واقعی بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"اور کیا' بھائی وہاں جاتے ہوئے ویسے ہی کانشس ہو رہے ہیں۔ دولہا سے بھی زیادہ ہینڈسم لگیں گے۔" عفی

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
بھول بھلیاں تیری گلیاں
فائزہ افتخار
قیمت ـــــ -/500 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار' کراچی۔

www.pkdigest.com

نے بھی مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔
"پھر وہی بات ماشاء اللہ کہتے کیا منہ دکھتا ہے۔" اماں نے اسے گھورا۔ وہ ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
"اب چلیں اماں! دیر ہو رہی ہے۔" اس نے خفا خفا لہجے میں اماں کو مخاطب کیا۔
"ہاں بس چلتے ہیں' ویسے ابھی تو بارات بھی نہیں پہنچی ہوگی۔ آج کل تو کارڈ پر جو وقت درج ہوتا ہے' اس سے ڈھائی' تین گھنٹے بعد ہی تقریب کا آغاز ہوتا ہے۔" اماں نے اطمینان سے جواب دیا۔
ان کا کہنا سہی تھا' ان کے وہاں پہنچنے کے بھی گھنٹہ بھر بعد بارات پہنچی تھی' وہ وہاں بیٹھا بیٹھا شدید کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔
"اچھا بس نکاح ہو جائے تو چلتے ہیں۔ میں تو پچھتائی تمہیں ساتھ لا کر۔" اماں نے اسے خفگی سے دیکھا۔
اور نکاح ہونے ہی والا تھا کہ ایک ڈرامائی صورت حال رونما ہو گئی۔ ایک انتہائی فیشن ایبل لڑکی تین سالہ بچہ کی انگلی تھامے دندناتی ہوئی اسٹیج پر چڑھ گئی۔
"قاضی صاحب! آپ نے نکاح نامے کی ساری شقیں پُر کر لی ہیں کیا؟" اس نے دولہا کے ساتھ بیٹھے نکاح خواں سے عجیب و غریب لہجے میں استفسار کیا۔ دولہا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔
"براہ مہربانی یہ درج کر لیجیے گا کہ دولہا کنوارا نہیں بلکہ شادی شدہ اور ایک بچی کا باپ ہے۔" وہ اتنی بلند آواز میں بولی تھی کہ اردگرد کے سب لوگ ہی اس جانب متوجہ ہو گئے۔
"جھوٹ بکتی ہے یہ۔" دولہا کی ماں نے غیض و غضب کا شکار ہو کر اسے پیچھے دھکیلا تھا۔
"جھوٹ آپ بول رہی ہیں' دھوکہ دے رہی ہیں ان بے چاروں کو۔ حالانکہ آپ جانتی بھی ہیں کہ آپ کے بیٹے نے مجھ سے شادی کر رکھی ہے۔ اب زبردستی اس کی دوسری شادی کروا رہی ہیں۔ آپ میرے ساتھ ساتھ ایک اور لڑکی کی زندگی تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ عاطف صرف میرا ہے۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔
"یہ کیا ڈراما ہو رہا ہے۔" احسان صاحب نے سمدھن کو مخاطب کیا۔
"پتہ نہیں کون حرافہ ہے یہ۔ جھوٹ بول رہی ہے احسان بھائی! آپ یقین کریں۔" دولہا کی ماں حواس باختہ ہوئے جا رہی تھی۔
اسی لمحے بچی بھی پاپا پاپا کہتی ہوئی دولہا کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔ دولہا نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا مگر بچی اس سے چمٹے جا رہی تھی۔ آخر اس نے بچی کو گود میں اٹھا ہی لیا۔
"آئی ایم سوری انکل! میں نے اس شادی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ممی کے سامنے میری ایک نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ میں کل ریڈی میڈ ہو۔ نتاشا میری کلاس فیلو تھی۔ ممی نے میری پسند کو قبول نہ کیا تو مجبوراً ہمیں کورٹ میرج کرنا پڑ گئی۔ اس شادی کے لیے میں ممی کی جذباتی بلیک میلنگ کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا لیکن اب آپ کے سامنے بات کھل ہی گئی ہے تو میں آپ سے غلط بیانی کر کے مزید اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔ شکر ہے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا تھا۔ آپ کی بیٹی کی زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔ قسمت نے شاید اس کے نصیب میں ایک ادھورے شخص کا ساتھ نہیں رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کو اس کے نصیب کی تمام خوشیاں دے۔ آپ مجھے معاف کر دیجیے گا۔" دولہا سنجیدگی سے کہتا اپنی بچی کو گود میں اٹھائے اسٹیج سے اتر گیا تھا۔
اس کی بیوی نے ایک تفاخرانہ نظر اپنی ساس پر ڈالی اور میاں کے ہم قدم ہو گئی۔ ماں چیختے ہوئے بیٹے کے پیچھے گئی تھی۔ بارات کے ساتھ آنے والے لوگ دولہا کو روکنے کے لیے آگے بڑھے مگر وہ تیر کی سی تیزی سے منظر نامے سے غائب ہوا تھا۔ سب مہمان اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔
"آپ فکر نہ کریں احسان صاحب! وہ نالائق اپنی بیوی کو چھوڑ دے گا۔ ہمیں کچھ مہلت دیں۔ کان سے پکڑ کر اس کو آپ کے سامنے لائیں گے۔ آپ سے معافی بھی مانگے گا اور آپ کی بیٹی سے شادی بھی کرے گا۔" دولہا کا چچا احسان صاحب سے مخاطب تھا۔
"آپ صرف ہم پر واحد اور آخری احسان یہ کر دیجیے کہ اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو لے کر یہاں سے تشریف لے جائیے۔" احسان صاحب ضبط کی کن انتہاؤں پر تھے' اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ تھا۔ ذرا سی دیر میں شرمندہ شرمندہ سی بارات واپس پلٹ گئی تھی۔
اب صرف احسان صاحب کے مدعوین ہال میں موجود تھے۔



"بہت برا ہوا' احسان بھائی کیسے برداشت کریں گے یہ صدمہ۔ پہلے ہی دل کے مریض ہیں۔" کوئی خاتون تاسف سے کہہ رہی تھیں۔
"واقعی بہت برا ہوا۔" عمر نے بھی افسردگی سے سوچا تھا۔ ابھی ذرا دیر پہلے کتنی رونق اور ہنگامہ تھا۔ پل بھر میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔
"بن ماں کی بچی ہے' بس یوں سمجھو احسان بھائی نے ہی ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا۔ اب آخری فریضے سے سبکدوش ہونے جا رہے تھے تو قسمت نے کیا چکر چلا دیا۔"
سب ہی اظہار افسوس کرنے میں مصروف تھے اور ایک کرسی پر احسان صاحب سر جھکا کر بیٹھے تھے' اس ہارے ہوئے جواری کی مانند جو اپنی ساری پونجی لٹا بیٹھا ہو۔ ہر کوئی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق انہیں دلاسہ دے رہا تھا۔
"اچھا ہوا احسان بھائی! ان دھوکے باز لوگوں کے بارے میں بات پہلے ہی کھل گئی۔ خدانخواستہ نکاح ہو جاتا تب تو بری طرح پھنس جاتے ہم۔"
"اور کیا دفع کریں جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ بس آپ زیادہ ٹینشن مت لیں۔ بھول جائیں سب۔"
"کتنی آسانی سے سب احسان انکل کو سب کچھ بھلانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ان کی بیٹی کی بارات گھر کی دہلیز سے لوٹی ہے۔ یہ صدمہ برداشت کرنا آسان کام تھوڑی ہے۔" اس نے تاسف سے خود کلامی کی۔
اماں نے رخ موڑ کر بیٹے کو دیکھا۔
"صحیح کہہ رہے ہو بیٹا! کیسا گھاؤ لگا ہے احسان بھائی کے دل پر۔ میری اپنی تو کوئی بیٹی نہیں مگر پھر بھی میں سمجھ سکتی ہوں کہ بیٹی کا دکھ سہنا کتنا مشکل کام ہے۔" اماں کی آواز بھرا گئی تھی۔
وہ تو ویسے بھی بہت رقیق القلب تھیں۔ ٹی وی ڈراموں میں ایسے واقعات دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور آج تو ان کے اتنے قریبی عزیز کی بیٹی کے ساتھ ایسا سانحہ رونما ہو گیا تھا' وہ لاکھ کوششوں کے باوجود اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو روک نہ پائیں۔
"کسی کو تو اس مشکل وقت میں احسان انکل کی مدد کرنی چاہیے' زبانی کلامی تسلی دینے سے کیا ہوتا ہے' بے چارے احسان انکل..... کیا حالت ہو رہی ہے ان کی۔" وہ دل گرفتگی سے بولا اور اماں نے اس کی بات پر کچھ چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔
"ہاں تو اماں! کچھ غلط تھوڑی کہہ رہا ہوں میں' اتنا وسیع حلقہ احباب ہے احسان انکل کا۔ کسی کو تو آگے بڑھ کر ان کا غم بانٹنا چاہیے۔ آج کی تاریخ میں ہی ان کی بیٹی کی رخصتی ہو جائے یہ کوئی ایسی ناممکن بات بھی نہیں۔ جو بھی ہوا ہے سب کے سامنے ہوا ہے۔ احسان صاحب اور ان کی بیٹی بالکل بے قصور ہیں لیکن اگر آج کے واقعہ پر وقت کی گرد بیٹھ گئی تو جانے لوگ بعد میں کیسے کیسے افسانے تراش لیں گے۔ ایک بے چاری لڑکی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"
وہ اس وقت احسان صاحب اور ان کی بیٹی کے غم کو دل سے محسوس کر رہا تھا اور احسان انکل کے پاس اماں کو جاتا دیکھ کر وہ یہی سمجھا تھا کہ اماں انہیں دلاسہ دینے گئی ہیں لیکن اماں نے جانے کس انداز میں تسلی دی تھی کہ احسان انکل کے گرد کھڑے سب ہی لوگ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگے تھے۔
وہ کچھ کنفیوز سا ہو گیا تھا اور پھر اماں نے اسے آواز دے کر پاس بلایا تھا۔
"یہ ہے میرا عمر' ماشاء اللہ پڑھا لکھا ہے' خوبصورت ہے اور برسرروزگار بھی۔ اگر آپ اسے اپنی فرزندی میں لے لیں گے تو یہ میری بڑی خوش نصیبی ہوگی۔"
اماں کی بات سن کر احسان صاحب کی آنکھوں میں تو مارے شکر گزاری کے آنسو آ گئے تھے لیکن اس کے حواسوں پر تو جیسے کسی نے بم گرا دیا تھا۔ اس نے بے یقینی سے اماں کو دیکھا۔
"صالحہ! اس مشکل وقت میں جیسے تم میری عزت رکھ رہی ہو' میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول پاؤں گا۔" احسان صاحب کے لب کپکپا گئے تھے۔
ان کے اس جملے میں ہی اقرار چھپا تھا۔ اماں سرشار ہو گئی تھیں' وہ اپنی جگہ ساکت کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔
"اپنے بیٹے سے پوچھا آپ نے؟" جانے کون تھا جو اس کی ہمدردی میں بولا تھا۔
"میرا بیٹا بہت فرمانبردار ہے' میری کوئی بات نہیں ٹالتا۔" اماں نے اسے بہت مان سے دیکھا تھا۔
اور پھر اسے نہیں پتہ چلا کہ کب اس کے گلے میں ہار ڈال کر اسے اسٹیج پر بٹھایا گیا' کب نکاح خواں نے آ کر ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کروایا۔ ذرا سی دیر کے لیے سرخ لہنگے میں ملبوس وجود کو اس کے پہلو میں بٹھا کر فوٹو سیشن بھی ہوا۔ اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی' وہ کچھ سوچنے سمجھنے



www.pkdigest.com

کے قابل نہ رہا تھا۔
کسی روبوٹ کی طرح سب مرحلوں سے گزرتا رہا پھر آس پاس سے طرح طرح کے فقروں کی بھنبھناہٹ کان میں پڑی تو جیسے دماغ نے کچھ کام کرنا شروع کیا۔
"لاٹری نکل آئی بھئی صالحہ بیگم کی' بیٹھے بٹھائے بیٹے کا رشتہ اتنے اونچے گھرانے میں جڑ گیا۔" یہ اماں کے ایک اور کزن سیف صاحب کی بیوی کی آواز تھی۔
"کیا خوب موقع سے فائدہ اٹھایا ہے صالحہ باجی نے۔ کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ قسمت یوں مہربان ہوگی۔" جانے کس سمت سے یہ بھنبھناہٹ آئی تھی۔
اگرچہ سب بھرے ایسے نہیں تھے' بہت سے لوگ وہ بھی تھے جو صالحہ بیگم کی اچھائی' خلوص اور بردباری کے معترف ہو رہے تھے' ان کی ہمدرد فطرت کو سراہ رہے تھے۔ یہ تسلیم کر رہے تھے کہ جو قدم انہوں نے اس وقت اٹھایا ہے' کوئی اور ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔
عمر کی شخصیت بھی بہت سوں کو متاثر کر رہی تھی' وہ اسے عاطف سے کہیں زیادہ ہینڈسم قرار دے رہے تھے لیکن عمر کی سماعتوں نے جیسے ان بصروں کو قبول کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔
اس کے ذہن میں بیگم سیف اور اسی قبیل کے دوسرے خواتین و حضرات کے فقروں کی تکرار ہوتی رہی' لب بھینچے وہ اپنا غصہ اور برہمی ضبط کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ شاید اپنی ساری زندگی وہ ضبط کے ان کڑے مراحل سے کبھی نہ گزرا تھا۔
اماں یہ کیا کر بیٹھی تھیں' اس کی زندگی کا سب سے اہم سنگ میل اماں کے جذباتی پن اور ہمدرد طبیعت کی بنا پر یوں اچانک عبور ہوا تھا کہ اسے سوچنے سمجھنے کا موقع تک نہ مل سکا۔
"بہت رات ہو گئی ہے اماں' اب چلنا چاہیے۔" جیسے ہی اماں اس کے قریب آئیں' اس نے اپنے لہجے کی خفگی پر حتی الامکان قابو پاتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔
"واقعی بہت دیر ہو رہی ہے' شمی بہن' اب رخصتی کردو۔" اماں نے دولہن کی خالہ کو مخاطب کیا تھا۔
"جی صالحہ آپا! بس اب رخصتی ہی کر رہے ہیں۔" شمی صاحبہ نے احسان صاحب کو آواز دے کر بلایا تھا اور اس کے حواسوں پر تو جیسے آج کی تاریخ میں دوسری بار بم گرایا گیا تھا۔
اس نے مدد طلب نگاہوں سے اماں کو دیکھا' وہ تو سمجھ رہا تھا کہ فی الحال ایمرجنسی میں نکاح کا فریضہ سرانجام دیا گیا ہے۔ فی الحال تو جو ہونا تھا ہو گیا تھا' گھر جا کر اس نے پہلے تو اماں پر خوب بھڑاس نکالنی تھی پھر ٹھنڈے دل و دماغ سے مسئلے کا حل سوچنا تھا۔
دُرِ شہوار (نکاح نامے میں تو یہی نام لکھا تھا) کے لیے اب بھی رشتوں کی کوئی کمی نہ ہوتی' اپنے ہم پلہ لوگوں میں احسان صاحب اب بھی کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ سکتے تھے۔ سب کو پتہ تھا یہ نکاح کن حالات میں ہوا ہے۔ وقتی طور پر اماں نے انہیں بارات واپس جانے سے ملنے والی ذلت سے بچا لیا تھا لیکن یہ مسئلے کا کوئی حتمی حل نہ تھا۔
وقت گزرنے کے ساتھ احسان صاحب کو بھی اپنے اس اچانک' جذباتی اور بے وقوفانہ فیصلے کا اندازہ ہو جانا تھا اور تب بصد احترام وہ ان کی بیٹی کی زندگی سے نکل جاتا۔
معطل حواس پہ قابو پانے کے بعد اس نے مختصر سے وقت میں یہی باتیں سوچی تھیں لیکن اب اماں کیا کرنے چلی تھیں' لگتا تھا وہ اسے اس کی زندگی بھر کی نافرمانیوں' بدتمیزیوں اور گستاخیوں کی سزا آج کی رات ہی دینا چاہتی تھیں۔
بے بسی کا احساس اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں سے بس آنسو ٹپکنے کی کسر ہی رہ گئی تھی اور پھر احسان صاحب اس کے قریب آئے تھے۔ پہلے آب دیدہ ہو کر بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا' اسے زندگی بھر کی خوشیوں کی دعا دی' اس کے بعد اماں کا دوبارہ شکریہ ادا کیا جو اماں نے خفگی سے لوٹا دیا اور آخر میں اسے گلے لگا کر اس کی پیٹھ تھپکی تھی پھر انہوں نے اپنی سالی کو کچھ اشارہ کیا۔
"جی جی بھائی جان!" شمی خالہ نے پرس کی زپ کھول کر کچھ نکالا تھا۔
"بات یہ ہے صالحہ آپا کہ جہیز کا سارا سامان تو ان کم بختوں کے ہاں بھجوا چکے ہیں' فی الحال یہ چیک رکھ لیجیے' باقی کی کمی بیشی بعد میں۔" ان کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ اماں نے بے حد ناراضی سے ان کے ہاتھ کو پیچھے ہٹایا۔
"آپ لوگوں نے میرے عمل کا بالکل غلط نتیجہ اخذ کیا ہے۔" اماں بے تحاشا خفا ہو گئی تھیں۔
"بیٹیوں کو خالی ہاتھوں کون رخصت کرتا ہے صالحہ آپا!" شمی نے انہیں سمجھانا چاہا تھا۔
"دیکھو شمی! اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ اللہ



نے ایک بیٹی کی نعمت سے محروم رکھا تھا' آج وہ دولت بھی مل گئی۔ میں دُرِ شہوار کو بیٹی بنا کر اپنے گھر لے کر جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ جن آسائشات کی عادی ہے' فی الحال اسے وہ نہ ملیں لیکن پیار' محبت' عزت' احترام سب کچھ ملے گا اور پھر میرا عمر ماشاء اللہ پڑھا لکھا اور برسرروزگار ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اور ترقی کرے گا۔ مجھے اپنے بیٹے کے زور بازو پر بھروسہ ہے۔ ان شاء اللہ ایک دن یہ اپنی محنت کے بل بوتے پر شہوار کو وہ سب کچھ فراہم کر دے گا جو شہوار یہاں چھوڑ کر جا رہی ہے۔" اماں نے پوری تقریر ہی کر ڈالی تھی اور اماں کی بات سن کر اس نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا' ورنہ جس وقت شمی آنٹی نے چیک اماں کی طرف بڑھایا تھا' اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہو۔
اگر اماں یہ سب نہ کہتیں تو وہ خود ساری مروت اور لحاظ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیتا۔ چیک نہ لے کر اماں نے آج کی رات پہلا درست فیصلہ کیا تھا۔
اگرچہ اماں کی تقریر کے سارے متن سے وہ متفق نہ تھا' وقت گزرنے کے ساتھ ترقی کرنا شہوار کو سب آسائشات مہیا کرنا' یہ بڑی لانگ ٹرم پلاننگ تھی اور وہ بھی اس زبردستی کے فیصلے کو ساری زندگی نہیں نبھا سکتا تھا اور یقیناً احسان صاحب کی بیٹی بھی ایسا نہیں چاہے گی۔ وہ ایک الٹرا ماڈرن اور متمول گھرانے کی لڑکی تھی۔ ان کے تین کمروں کے مکان میں کہاں گزارا کر پائے گی۔
بے چاری فی الحال تو حالات کے جبر کی لپیٹ میں آ گئی تھی لیکن زندگی بھر کا سمجھوتہ کرنا یقیناً" اس طبقے کی لڑکی کے لیے قطعی قابل قبول نہ ہوتا اور یہ سمجھوتہ قابل قبول تو اس کے لیے بھی نہ تھا۔
شریک سفر کے لیے بے شک اس کے ذہن میں کوئی واضح خاکہ نہ تھا' نہ ہی دل میں لو میرج کرنے کی خواہش تھی۔ ہاں' اتنا ضرور سوچا تھا کہ جس لڑکی سے شادی ہو' وہ قطعی اجنبی اور انجان نہ ہو۔
اپنے ہی جیسے مڈل کلاس گھرانے کی کوئی سلجھی ہوئی لڑکی جو پڑھی لکھی میچیور اور سمجھ دار ہو۔ زندگی کے ہر مرحلے پر اچھے ہم سفر کی طرح قدم سے قدم ملا کر چلے۔ ایلیٹ کلاس گھرانے کی لڑکیوں کے بارے میں اس کی رائے کچھ اچھی نہ تھی کہ وہ مغرور' ماڈرن اور بے باک ہوتی ہیں۔
آج کی تقریب میں اپنے ساتھ ہونے والے سانحہ سے پیشتر اتفاقاً" جن لڑکیوں پر بھی اس کی نگاہ پڑی تھی' وہ ایسی ہی تھیں اور ایسی لڑکیوں سے اسے شدید ترین چڑ تھی۔ یونیورسٹی لائف میں بھی اس کی خوبصورتی اور وجاہت سے متاثر ہو کر اس ٹائپ کی کئی لڑکیوں نے اس کی جانب اپنا التفات ظاہر کیا تھا لیکن وہ ان سے دور بدکتا تھا۔
وہ ایسی کسی لڑکی کو چالیس منٹ کے پیریڈ میں اپنے ساتھ والی کرسی پر برداشت کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ کجا کہ ساری زندگی کے لیے گلے کا ہار بنا لیتا اور یہ شمی صاحبہ جو دولہن کی رشتے میں خالہ لگتی تھیں' برائے نام آستینوں والا بلاؤز اور ڈیپ گلے والی ساڑھی پہنے اماں سے اب بھی چیک لینے پر اصرار کر رہی تھیں اور تب احسان صاحب نے انہیں روک دیا' اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔
"چلو بھئی دولہن کو چادر پہنا دو۔" کچھ توقف کے بعد اماں کو خیال آیا۔
"آں ہاں... چادر..." شمی آنٹی سر ہلاتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی تھیں۔ انہوں نے آگے کسی صوفی آپی کو پکارا' انہوں نے کسی نگہت صاحبہ کو آواز دی۔ عمر کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھر گئی۔
اماں نے بے چارے لوگوں کو کس مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ ایک چادر کا انتظام مشکل ہو رہا تھا' پھر کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ایک شال اسٹیج تک پہنچی تھی۔ دولہن کو شال اوڑھا دی گئی پھر قرآن پاک منگوایا گیا تھا۔
"آئیں تو ہم موٹر سائیکل پر تھے جائیں گے کیسے؟" اماں کو خیال آیا تو دھیمی آواز میں بیٹے سے پوچھا تھا لیکن اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا' کسی نے آگاہ کیا' ڈرائیور سمیت گاڑی تیار کھڑی ہے۔
"ٹیکسی میں چلے چلتے۔" اس نے اماں پر اپنی ناگواری ظاہر کر دی تھی۔
"کوئی بات نہیں' رات بہت ہو رہی ہے۔ دولہن نے زیور بھی پہن رکھا ہے۔" اماں نے اس بار اس کی اونچی ناک کی پروا نہ کی تھی اور شاید ان کا فیصلہ دانش مندانہ تھا۔ رات کے ڈھائی بجے گاڑی گھر کے سامنے آن رکی تھی۔
گلی میں ہو کا عالم تھا۔ چھن چھن کرتی دولہن کو لیے اماں گاڑی سے اتری تھیں۔ ڈرائیور نے دولہن کا سوٹ کیس نکال کر دروازے کے پاس رکھا اور سلام کر کے پلٹ گیا۔
اس نے جیب ٹٹول کر چابی نکالی تھی' تالہ کھول کر اندر



www.pkdigest.com

داخل ہونے کے ساتھ ہی اماں نے دولہن کا ماتھا چوما' دعا دی اور پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دینے کے لیے اسے تلاشنا چاہا مگر وہ سوٹ کیس برآمدے میں پٹخ کر کمرے میں گھس گیا تھا۔ اندر اجو بہت دھیمی آواز میں ٹی وی چلائے کوئی ہارر فلم دیکھنے میں مشغول تھا۔ کھٹ پٹ کی آواز پر فوراً "ٹی وی بند کر کے اٹھا تھا۔ عمر نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلائی۔

"آپ لوگوں کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے وضاحت دی کہ لیٹ نائٹ ٹی وی دیکھنے کا استحقاق اس گھر میں صرف بڑے بھیا ہی رکھتے تھے۔ وہ اس کی وضاحت سنی ان سنی کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا یخ پانی پلاؤ۔" اس نے حکم دیا تھا۔

"اتنی ٹھنڈ میں؟" اجو حیران ہوا لیکن ابھی اس کے حیران ہونے کو بہت کچھ باقی تھا۔ اماں دولہن کو لیے کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہا ہے' بھابھی ہے تیری' سلام کر۔" اماں نے اسے ڈپٹا تھا۔

اس نے آنکھیں مزید پھاڑ کر پہلے "بھابھی" کو اور پھر بے یقینی سے بھائی کو دیکھا تھا۔ اماں نے دولہن کو عمر کے پہلو میں صوفے پر بٹھا دیا' وہ ایک لمحے کا توقف کیے بغیر اٹھ گیا تھا۔ اماں نے اس حرکت پر اسے خفگی سے گھورا تو ضرور مگر بولیں کچھ نہیں پھر جیسے انہیں ایک دم یاد آیا تھا۔

"جا اجو اپنے ابا کو اٹھا دے' ورنہ صبح شکوہ کریں گے کہ بہو سے رات کو ہی کیوں نہیں ملوایا۔" اماں کے بھولپن پر اس کے چہرے پر بڑی بے بس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

شکوہ کرنے کو تو ابا یہ بھی کر سکتے تھے کہ ان کے بغیر ہی چپکے چپکے دولہن رخصت کروا کے لے آئی تھیں لیکن وہ جانتا تھا کہ ابا بھی ہرگز ایسا کوئی شکوہ نہ کریں گے اور اجو جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے ساری سچویشن سمجھنے کی کوشش میں تھا' اماں کے کہنے پر فوراً" ابا کے کمرے کی طرف بھاگا۔

ابا بے چارے گہری نیند میں تھے' اجو کی بے ربط سی باتیں کیا سمجھ میں آتیں' بس اسے کچھ سمجھی' کچھ نا سمجھی کے عالم میں تکتے رہے۔

"تمہاری ماں آگئیں شادی سے واپس۔" حواس کچھ بیدار ہوئے تو یاد آیا کہ بیوی بیٹے کے ساتھ شادی کی تقریب میں گئی تھی۔

اجو جو ساری بات بتا کر فارغ ہی ہوا تھا' ذرا سا بدمزہ ہوا لیکن پھر پہلے والے جوش و خروش سے دوبارہ بتانا شروع کیا۔

"اماں آگئی ہیں ابا! اور ساتھ ایک دولہن بھی لائی ہیں۔ اتنی پیاری' اتنی خوبصورت' بالکل ڈراموں والی۔"

"کون دولہن؟" ابا نے اسے ٹوکا۔

"اماں کہہ رہی تھیں تمہاری بھابھی ہے۔" اجو نے وفور مسرت سے آگاہ کیا۔

"میری بھابھی؟" ابا نے اچنبھے سے پوچھا۔ شاید ان کے حواس اب تک پوری طرح بیدار نہیں ہوئے تھے۔

"اوفو ابا... آپ کی نہیں' ہماری بھابھی۔ آپ کی تو بہو ہوئی نا۔ بس آپ جلدی سے آجایئے۔ بھابھی بہت پیاری ہیں ابا! بھائی کے ساتھ جوڑی خوب جچ رہی ہے۔" اجو تاکر پھر ڈرائنگ روم کی طرف بھاگا تھا۔ حیران پریشان ابا اس کے پیچھے تھے۔

"آمیں عمر کے ابا! دیکھیں اللہ نے بیٹھے بٹھائے اپنی رحمت سے نواز دیا ہمیں۔ بہو ہے یہ آپ کی۔" انہوں نے مسرور سے انداز میں آگاہ کیا تھا پھر دولہن سے مخاطب ہوئیں۔

"چلو بیٹا اپنے ابا کو سلام کرو۔" اور دولہن نے دھیمی سی آواز میں سلام کر کے فوراً" اماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

ابا بے شک ابھی تک ساری سچویشن سمجھ نہ پائے تھے لیکن انہوں نے بہت جلد اپنی حیرت پر قابو پالیا تھا پھر پوری خوش دلی سے دولہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعاؤں سے نوازا تھا۔

"دنیا سے نرالے ماں باپ...." عمر بے زار کن تاثرات چہرے پر سجا کر اپنے کمرے میں آگیا۔

وہاں منگی دنیا و مافیہا سے بے خبر لمبی تان کر سو رہا تھا۔ وہ اور منگی ایک ہی بیڈ شیئر کرتے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں اجو کی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ عمر بے دم سا ہو کر بیڈ پر گر گیا۔ دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا' جانے کتنی دیر تک وہ اسی خالی الذہنی کی کیفیت میں پڑا رہا پھر اماں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ "تو بھلا بتاؤ' منگی کو جگایا تک نہیں۔" وہ خفا ہو رہی تھیں۔

"کیوں' اس غریب کا کیا قصور؟" اس نے تلخی سے پوچھا۔

"بہت ہو گئی عمر! اپنے چہرے کے زاویے درست

کرلے۔" اماں الٹا اس پر ہی بگڑیں' پھر عفی کا شانہ پکڑ کر ہلایا تھا۔

"سونے دیں نا' صبح مل لے گا آپ کی بہو سے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔

"کیسے سونے دوں پھر بہو کہاں سوئے گی۔" اماں نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا اور وہ تو گویا کرنٹ کھا کر اٹھا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا' اپنی بہو کو اپنے پاس سلائیں۔ میرا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے اس سے۔"

"تیرا دماغ تو نہیں چل گیا عمرا!" اماں نے اسے خفگی سے دیکھا پھر دوبارہ عفی کا شانہ پکڑ کر ہلایا تھا۔

"عفی اٹھ میرے چاند۔" اور چاند آنکھیں مسلتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا صبح ہوگئی اتنی جلدی۔" عفی کچھ حیران تھا۔

"صبح کہاں' میری تو زندگی کی رات ہوگئی ہے۔" اس نے استہزائیہ انداز میں خود کلامی کی۔

"کیوں اول فول ہانک رہا ہے عمرا چاند سی دولہن اللہ نے بیٹھے بٹھائے دے دی' جتنا شکر ادا کرے کم ہے۔"

"کون سی دولہن' اماں!" عفی ہکا بکا سا ساری بات سمجھنے کی کوشش میں تھا۔

"لے تو نے تو واقعی ابھی تک اپنی بھابھی نہیں دیکھی۔ اچھا چل فی الحال تو جلدی سے اٹھ بلکہ ٹرنک میں سے دھلی ہوئی بیڈ شیٹ نکال کر لا۔ چلو اور کچھ نہیں تو کم از کم بیڈ شیٹ ہی بدل دوں باقی تو۔۔۔"

"اماں! آخر آپ کو میری بات سمجھ میں کیوں نہیں آرہی۔" وہ ایک دم سے پھٹ پڑا تھا اور ایک لمحے کو تو اماں بھی چپ ہوگئیں۔

"کون سی بات؟" انہوں نے انجان بنتے ہوئے تحمل سے دریافت کیا۔

"وہ یہاں نہیں سوئے گی' اپنے پاس ہی سلائیں اسے۔ ابا کو یہاں بھیج دیں۔ میں دو چار دن میں نمٹا دوں گا یہ معاملہ۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

"خدا کی پناہ عمرا تو کیسی باتیں کر رہا ہے؟" اماں اس کے لہجے سے اس کا ارادہ پا گئی تھیں' جب ہی دل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"تو اور مجھے کیسی باتیں کرنی چاہئیں اماں! مجھ سے پوچھے بغیر زبردستی کا بندھن باندھ دیا آپ نے۔ ایک انجانی لڑکی کو میرے سر پر تھوپ دیا۔ میں اس وقت غصے اور بے بسی کی جس انتہا پر ہوں' آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ کتنی بڑی قیمت لی ہے آج آپ نے میری فرمانبرداری کی۔ بتائیے کیا عزت رہ جاتی آپ کی اگر میں بھری محفل میں آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیتا۔"

"لیکن تو نے خود ہی تو کہا تھا کہ اس مشکل وقت میں کسی کو احسان بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔" اماں نے پست سے لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"میں نے کسی کو کہا تھا اماں! کم از کم آپ کو نہیں کہا تھا۔" وہ روہانسا ہوگیا۔

"بیٹے! بچی بہت اچھی ہے' پڑھی لکھی ہے' پیاری ہے تو اس کے ساتھ خوش رہے گا۔ اپنی ماں کی بات کا یقین کر۔" اماں اسے چمکارتے ہوئے بولیں۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں اس کے ساتھ خوش رہوں گا اور بالفرض محال میں اسے قبول کر بھی لوں تو کیا وہ میرے ساتھ خوش رہ پائے گی۔ وہ ایک بڑے گھر کی لڑکی ہے' اس تین کمروں کے گھر میں کیا سکھ ملے گا اسے۔"

"چار کمرے بھیا! اوپر اپنا اسٹور بھی تو کمرہ ہی ہے نا۔ اگر کاٹھ کباڑ نکال دیں تو اتنا بڑا اور ہوادار۔۔۔" اجو جو ماں کے پیچھے پیچھے آگیا تھا درمیان میں بھولپن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولنے سے باز نہ آیا۔

عمر نے اسے قہر برساتی نگاہوں سے دیکھا تو وہ پھر دبک کر اماں کے پیچھے ہوگیا تھا۔

"تو اپنے دل کو راضی کرلے میرے لعل اور شہوار کی فکر چھوڑ دے۔ عورت کی فطرت میں اللہ نے بہت لچک رکھی ہے' وہ ہر قسم کے ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس شروع شروع میں تھوڑی تنگی ہو لیکن وہ بہت آسانی سے سمجھوتہ کرلے گی۔" اماں نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے سمجھایا تھا مگر یہ کہہ کر گویا انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"کوئی میرے ساتھ سمجھوتہ بھری زندگی گزارے ہی کیوں' میں اس احساس کے ساتھ نہیں جی سکتا کہ میرا ساتھ کسی کے لیے صرف ایک سمجھوتہ ہے۔ مجھ میں کس چیز کی کمی ہے اماں! میری ہمراہی تو کسی کے لیے اعزاز ہونی چاہیے نہ کہ ایک سمجھوتہ۔"

اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا' اس کی ذات کا کوئی مان توڑے' یہ اسے کب برداشت تھا۔

"تیری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" اماں نے



بے بسی کے احساس سے بیٹے کو دیکھا اور اسی لمحے ابا بھی آگئے تھے۔

شاید اماں انہیں شادی کی مختصر سی روداد سنا چکی تھیں' اس لیے ان کے چہرے پر اب بہت نارمل سے تاثرات تھے۔

"بھئی تم ماں بیٹا کس میٹنگ میں لگ گئے' دولہن کے سونے بیٹھنے کا کچھ انتظام کرو۔ بچی بے چاری بے آرام ہو رہی ہے۔" ابا نے اماں کو مخاطب کیا۔

"بچی بے چاری یہاں ہمیشہ بے آرامی ہی محسوس کرے گی۔" وہ پھر طنز کرنے سے باز نہ آیا۔

ابا نے کچھ چونک کر اسے دیکھا' وہ ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ ماں اور بیٹا دونوں ایک کارِ خیر انجام دے کر لوٹے ہیں۔ یہ نہیں پتہ تھا کہ اس کارِ خیر میں بیٹے کا حصہ زبردستی ڈلوایا گیا ہے۔

"آپ کا بیٹا انوکھی باتیں کر رہا ہے' کہتا ہے دولہن کو آپ اپنے پاس سلائیں۔ ابا ہمارے پاس سو جائیں گے۔" اماں نے ابا سے اس کی شکایت لگائی۔

ابا کچھ لمحوں تک بیٹے کے خفا خفا چہرے کا جائزہ لیتے رہے پھر دوستانہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"میں مانتا ہوں یار! کہ تم ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھے لیکن قدرت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ جو فیصلہ ہوگیا' اس یقین کے ساتھ اسے قبول کرو کہ یہ بچی ہی تمہارے نصیب میں لکھی تھی۔ ان شاء اللہ اس کا ساتھ تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دے گا۔" ابا نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا تھا۔

"ابا پلیز! اس وقت ایسی کوئی بھی بات میری عقل میں نہیں سما سکتی۔" وہ شدید بدلحاظ ہوا۔

اماں نے ناراض ہو کر اس سے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ابا نے آنکھ کے اشارے سے انہیں روکا پھر اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

"ٹھیک ہے یار! تم بھی صحیح کہتے ہو۔ زندگی کی نئی حقیقتوں کو تسلیم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے وقت چاہیے اور ہم تمہیں یہ وقت ضرور دیں گے۔ عمر کی ماں! جاؤ میرا تکیہ اور لحاف یہاں لادو۔ دولہن تمہارے پاس سو جائے گی۔ رات بہت ہوگئی ہے' بچی بے چاری بھی ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک چکی ہوگی۔ اسے کمرے میں لے جاؤ' اسے آرام کی ضرورت ہے۔" ابا نے بحث سمیٹی تھی۔

اماں نے ایک شکوہ بھری نظر اس پر ڈالی پھر کمرے سے نکل گئیں۔ دو منٹ بعد وہ ابا کا لحاف اور تکیہ لے کر آگئی تھیں۔

"تم تینوں بھائی بیڈ پر سو جانا۔" انہوں نے پلنگ پر سے اجو کا تکیہ ہٹا کر ابا کا بستر جمایا تھا۔

"اور تم کیا ساری رات بیٹھے رہو گے۔ لیٹو اور سونے کی کوشش کرو۔" اماں نے اسے کچھ خفگی سے مخاطب کیا۔

وہ بن جواب دیے اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا۔ اماں لائٹ آف کر کے بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تھیں۔

"سو جائیں بھائی! ہوسکتا ہے صبح اٹھنے پر پتہ چلے یہ سب ایک خواب ہو۔" اجو نے سرگوشی کے انداز میں اسے تسلی دی تھی اور مشورہ احمقانہ سہی مگر اس وقت اس کے دل کو لگا تھا۔

"ہاں ہوسکتا ہے یہ سب خواب ہی ہو بلکہ کاش! یہ ایک خواب ہی ہو۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں ٹانگیں سیدھی کر کے سر تکیے پر رکھا اور لحاف تان لیا پھر کب سوچ کی وادی سے نیند کی وادی میں داخل ہوا' پتہ بھی نہ چل سکا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے یہ سب ایک خواب ہو۔" یہ عفی کی کھنکتی ہوئی آواز تھی۔

آج بہت دنوں بعد برآمدے میں بچھی لکڑی کی بڑی سی چوکور میز کو ڈائننگ ٹیبل کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے اردگرد موڑھے رکھ کر افراتفری میں بھرپور ناشتے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

وہ کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ٹھٹک کر رکا تھا۔ ٹھٹکنے کی وجہ اماں کے ساتھ والے موڑھے پر بیٹھی تھی۔ رات کو وہ بلاشبہ بہت حسین لگ رہی تھی لیکن رات کو اس نے دو چار یا جتنی بھی بار اس پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی' یہ سوچ کر خود کو اس کے حسن سے مرعوب ہونے سے باز رکھا تھا کہ یہ حسن شہر کے کسی مشہور بیوٹی پارلر کے میک اَپ کا کرشمہ ہے لیکن اس وقت وہ میک اَپ سے مبرا چہرہ لیے آسمانی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں آسمانی حور لگ رہی تھی۔

قدموں کی چاپ پر سب کے ساتھ اس نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر وہ تو نگاہیں جھکا کر اپنے سامنے رکھی



www.pkdigest.com

پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ البتہ باقی سب نے نگاہیں ہٹانے کا تکلف نہ کیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں' کیا پہلی بار دیکھا ہے مجھے۔" سب کو ذوق و شوق سے اپنی جانب تکتا پا کر وہ جھنجلا گیا تھا مگر بہت ضبط کر کے یہ فقرہ لبوں پر لانے سے روکا تھا۔

"آؤ بیٹا! رک کیوں گئے۔ میں نے تو ناشتے کے لیے اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ رات دیر سے سوئے تھے' نیند پوری کر لو۔" اماں نے اسے محبت سے پکارا تھا۔

"ہاں بھئی عمر! جلدی سے آجاؤ' تمہاری ماں نے بہت خستہ قیمہ بھرے پراٹھے بنائے ہیں۔" اماں کے چپ ہونے پر ابا نے مخاطب کیا۔

"آجائیں بھائی! ابا گرم گرم حلوہ پوری بھی لائے ہیں۔" اجو نے گویا اسے للچانا چاہا تھا۔

"اور میں نے اتنے مزیدار شاہی ٹکڑے بنائے ہیں' آپ کھائیں گے تو انگلیاں چاٹ کر رہ جائیں گے۔" عفی بھلا کیوں پیچھے رہتا' اس نے بھی اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔

اس نے کاٹ کھانے والی نگاہوں سے اسے گھورا' کیسی ندیدی کیفیت کا تاثر دے رہے تھے اس لڑکی کے سامنے اور اس بے چاری کو اتنا دیسی قسم کا ناشتہ کہاں ہضم ہوتا تھا۔ اس کا ناشتہ تو شاید جیم' بریڈ' آملیٹ' توس' جوس اور کارن فلیک جیسی چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہاں پراٹھے اور حلوہ پوری جیسی سوغاتیں کھانے کو مل رہی تھیں۔ اسے پہلی بار دل میں اس سے ہمدردی محسوس کی۔ "عفی! مجھے بس چائے کا ایک کپ پکڑا دو۔" اماں نے اسے دوبارہ بلایا تو اس نے ناراضی کے اظہار کے طور پر اماں کے بجائے عفی کو پکارا تھا۔

"خالی پیٹ چائے لے گا' دماغ تو نہیں چل گیا۔" اماں نے ذرا شوار کا خیال کیے بنا اسے ڈپٹا تھا۔

"اماں! شاید بھائی آج بیڈٹی لینا چاہ رہے ہیں۔" عفی نے شرارتی انداز میں اماں کو مخاطب کیا۔

"گنڈلی ہوا بیڈٹی' جب ناشتہ بن چکا ہے تو صرف چائے پینے کا کوئی تک ہے بھلا۔" اماں نے اپنی انگریزی دانی کا ثبوت دیا تھا۔

"نیک بخت! صبح سویرے نہار منہ جو چائے بستر پر بیٹھ کر پی جاتی ہے' اسے کہتے ہیں بیڈٹی۔" ابا کو بھی اپنی نصف بہتر کو سمجھانے کا اس سے بہترین موقع اور کب مل سکتا تھا۔

وہ جھنجلاتا ہوا واپس کمرے میں مڑ گیا' دو منٹ بعد عفی چائے کا کپ لیے اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

"یہ لیں بھائی گرم گرم چائے۔" وہ چائے کا کپ اسے تھما کر واپس مڑ گیا۔

اور چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی زبان تو جلی ساتھ دل بھی جل کر خاک ہو گیا۔ باہر قیمہ بھرے پراٹھوں کی دعوت اڑائی جارہی تھی اور وہ یہاں اکیلا بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ ایک لڑکی کی وجہ سے کیسے اپنے ہی گھر میں اجنبی بن گیا تھا اور کیا تھا جو اماں چائے کے کپ کے ساتھ ایک چنگیر میں پراٹھا اور تھوڑے سے حلوے کے ساتھ دو تین پوریاں ہی بھجوا دیتیں۔

بھوک کے معاملے میں وہ کتنا کچا تھا اس بات سے اماں سمیت گھر کا کوئی فرد ناواقف تو نہیں تھا۔ اس نے غصے میں چائے کا کپ بھی سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ ذرا دیر بعد اجو کمرے میں آیا تھا۔

"ناشتہ کر چکے ہو تو میرے کپڑے پریس کر دو۔" اس نے اجو کو مخاطب کیا۔

"آج تو آپ کے آفس کا آف ہے بھائی!" اجو نے اپنی دانست میں اسے یاد دلایا تھا۔

"استری کیے ہوئے کپڑے پہن کر کیا بندہ صرف آفس ہی جاسکتا ہے۔" وہ بلاوجہ اجو پر چڑھ دوڑا تھا۔

"کون سے کپڑے کروں بھائی!" اجو نے عافیت اسی میں جانی کہ مزید سوال جواب سے پرہیز کیا جائے' سو فرمانبرداری سے کپڑے مانگے تھے۔

"جو مرضی کر دو۔" اس بار وہ قدرے بے زاری سے بولا۔

اجو نے چپ چاپ کپڑوں کی الماری کھولی اور اس کی ایک جینز شرٹ باہر نکالی تھی' اتنے میں اماں بھی آگئی تھیں۔

"یہ تو کیا کر رہا ہے اجو!" انہوں نے اجو کو مخاطب کیا۔ حالانکہ اسے استری کا پلگ لگاتے دیکھ چکی تھیں' اسی لیے اس کے جواب کا انتظار کیے بنا دوبارہ بول اٹھی تھیں۔

"یہ کپڑے میں پریس کر دیتی ہوں تو فٹافٹ بازار سے رس گلے اور گلاب جامن لے آ۔" اماں نے بٹوے میں سے پیسے نکالتے ہوئے اجو کو مخاطب کیا پھر ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"کتنے کلو مٹھائی منگواؤں عمر!" جب خود سمجھ میں نہ آیا



تو اسے مخاطب کیا۔

"ایک کلو کا ڈبہ ہم سب کے لیے بہت رہے گا اماں!" عمر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اجو نے ماں کو جواب دیا تھا۔ اماں ہنس پڑی تھیں۔

"ہاں ہاں' ہم سب بھی منہ میٹھا کریں گے۔ آخر اتنی بڑی خوشی آئی ہے ہمارے گھر' مگر میں تو پڑوس میں مٹھائی بانٹنے کی بات کر رہی ہوں۔"

"کیوں ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں آپ اس نام نہاد شادی کا۔" وہ بگڑا۔

"تو بھلا یہ کوئی چھپانے والی بات ہے۔ پہلے تو میں سوچ رہی تھی کہ آج کل میں ولیمہ کی تقریب رکھ لیتے ہیں لیکن پھر سوچا کہ ولیمہ میں دور پار کے سب رشتہ داروں کو بلوانا ہو گا۔ اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑی بہت بری بھی بناؤں گی۔ ایک آدھ سونے کا سیٹ' چوڑیاں' کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنی ہی ہو گی نا! ایسی افراتفری اور ایمرجنسی میں تقریب کیسے منعقد ہو پائے گی۔ سارا کام سکون سے ہو تو ہی ٹھیک ہے۔"

"جی یقیناً ایسی افراتفری اور ایمرجنسی میں صرف شادی ہی ہو سکتی ہے۔ ولیمہ تو دھوم دھام سے ہی منعقد کیجیے گا۔" اس نے طنز کیا لیکن اماں اس طنز کو نہ سمجھ سکیں۔

"ہاں ہاں' یہی تو میں کہہ رہی ہوں اور اجو تو اب تک یہاں کھڑا ہے' جا دوڑ کر مٹھائی لے آ۔ اس سے پہلے محلے میں سے کوئی آئے' میں آس پاس کے گھروں میں خود ہی مٹھائی بانٹ کر سلیقے سے ساری بات بتا آتی ہوں۔ اگر بچی کے سامنے کسی نے کرید کریدی کی تو ناحق اس کا جی برا ہو گا۔"

اماں کو اپنے بچے کے مقابلے میں "بچی" سے زیادہ ہمدردی تھی۔ انہوں نے پیسے گن کر اجو کو تھمائے اور پھر باہر نکل گئیں۔ عمر نے گہرا سانس لے کر کپڑے اٹھائے جو آج خود ہی پریس کرنا تھے۔

محلے میں مٹھائی تقسیم ہونے کے بعد یقیناً گھر میں لوگوں کی آمد و رفت اور ایک ہلچل مچ جانی تھی اور وہ ہلچل سے پہلے ہی گھر سے نکلنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں تھا تو؟ موبائل بھی آف کر رکھا تھا۔ طرح طرح کے وسوسے ستا رہے تھے مجھے۔" شام ڈھلے اس کی واپسی ہوئی تھی اور آتے کے ساتھ ہی اماں نے اس پر چڑھائی کر دی تھی۔

وہ بنا جواب دیے جوتے اتارنے لگا تھا۔

"اچھا اب جوتے مت اتار۔"

"کیوں؟" اس انوکھی فرمائش پر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"دلہن کو اس کے باپ سے ملوانے نہیں لے کر جائے گا۔" انہوں نے اس بار دلار سے مخاطب کیا۔

"آپ لے جائیں دلہن کو اپنے ساتھ بلکہ اس کی مرضی پوچھ لیجیے گا۔ ایک رات ہمارے ہاں گزار چکی ہے۔ اب تو گھر بھی اچھی طرح دیکھ لیا ہو گا۔ اس دڑبے میں کہاں رہ پائے گی۔ اگر واپس نہ آنا چاہے تو وہیں چھوڑ آئیے گا۔ ہم احسان انکل کے ساتھ باہمی رضامندی سے اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیں گے۔"

"عمر! یہ کیا خناس بھر گیا ہے تیرے دماغ میں۔ شوار بہت بھلی بچی ہے۔ ہمارے ساتھ بہت ہنسی خوشی زندگی گزارے گی۔ مجھے ایک دن میں ہی اس کے مزاج کا اندازہ ہو گیا ہے۔ اتنے بڑے گھر کی بچی ہے مگر نخرہ نام کو نہیں۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی کہ اس نے بیٹھے بٹھائے ہمیں بہو کی صورت میں بیٹی سے نواز دیا۔" ہمیشہ کی جذباتی اماں نے محض ایک دن کے ٹرائل میں ہی بہو کو پاس کر دیا تھا۔

"ایک دن میں کون کسی پر کھلتا ہے اماں! اور وہ یہاں نخرہ دکھائے گی بھی کیوں۔ ہم اس کا رشتہ مانگنے اس کے گھر تھوڑی گئے تھے۔" وہ تلخ ہوا تھا۔

خود پر تھوپے گئے اس زبردستی کے فیصلے نے جیسے اس کے اندر تک کڑواہٹ بھر دی تھی' ورنہ اتنا بدلحاظ اپنی پوری زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا۔

"احسان بھائی کئی دفعہ فون کر چکے ہیں بیٹا! وہ تو ہم سب کو کھانے پر مدعو کر رہے تھے مگر میں نے معذرت کرلی' البتہ یہ وعدہ کر لیا کہ تمہیں اور شوار کو ضرور بھیجوں گی۔ ابھی تو ان کا دل کل کے دھچکے سے ہی نہیں سنبھل پایا ہو گا' اب اگر تو بھی اکڑ اور ہٹ دھرمی دکھا کر ان سے ملنے نہیں جائے گا تو کتنا صدمہ ہو گا انہیں۔" اماں نے اسے قائل کرنے کے لیے دوسرا حربہ آزمایا تھا۔

"اماں! میں نہیں چاہتا کہ وہاں جا کر میں احسان صاحب کو کسی خوش گمانی میں مبتلا کروں کیونکہ یہ تو طے ہے کہ میں اس زبردستی کے بندھن کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔"

وہ ہٹ دھرمی سے بولا اور اس بار اماں اسے محض دیکھ کر رہ گئیں۔ وہ اتنا ہٹ دھرم اور کٹھور ثابت ہوگا انہیں ہرگز اندازہ نہ تھا۔

کچھ لمحوں تک چپ چاپ اسے تکنے کے بعد وہ خاموشی سے پلٹ گئی تھیں اور بعض اوقات ماؤں کی خوشی بھی کتنی بڑی بلیک میلنگ ہوتی ہے' وہ جوتوں کے تسمے دوبارہ باندھ کر جھنجلاتے ہوئے اٹھا تھا۔

"بھیجیں دولہن صاحبہ کو' میں رکشہ یا ٹیکسی..." وہ اماں کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ باقی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی کیونکہ سامنے اماں کے بجائے دلہن صاحبہ ہی تشریف فرما تھیں۔ عمر کی بات سن کر اس کے چہرے پر جس طرح خفت اور شرمندگی پھیلی تھی' اس نے عمر کو بھی شرمندہ سا کردیا۔

جو کچھ ہوا اس میں اس بے چاری کا کیا قصور تھا' کل رات سے اب تک اس کے بگڑے تیور دیکھ کر وہ یہ اندازہ تو لگا ہی چکی ہوگی کہ وہ اس رشتے سے کتنا ناخوش ہے اور رشتہ تسلیم نہ کرنا الگ بات مگر یوں اسے شرمندہ کرنا بھی مناسب نہ تھا۔

عمر کو اپنے رویے کی بدسلوکی کا اندازہ ہوا تھا' لہجہ تبدیل کرکے اماں کو مخاطب کیا جو الماری میں سر جھکائے کچھ ڈھونڈنے میں مصروف تھیں۔

"میں رکشہ لا رہا ہوں اماں! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو اچھا ہے۔" اور اماں تو اس کا بدلا ہوا لہجہ سن کر نہال ہی ہوگئی تھیں۔

"میں کیا کروں گی جاکر' تم لوگ جاؤ۔ میں عفی کو بھیجتی ہوں رکشہ لانے کے لیے۔ شہوار تو تیار ہی ہے' تم بھی ہاتھ منہ دھو کر کنگھی کرلو۔" اماں نے اسے کپڑے بدلنے کو نہ کہا کہ کہیں وہ ناراض ہی نہ ہوجائے اور خوش خوش عفی کو بلانے چلی گئیں۔ وہ بھی گہری سانس کھینچتا ہوا مڑ گیا۔

اچھے بچوں کی طرح منہ ہاتھ دھو کر کنگھی کی۔ عفی پانچ منٹ کے اندر اندر رکشہ لے آیا تھا۔ اماں درِ شہوار کو لے کر کمرے سے نکلی تھیں۔ وہ جو برآمدے میں موڑھے پر سر جھکائے جوتے کی نوک سے فرش پر ہلکی ہلکی ٹھوکریں مار رہا تھا' اٹھ کھڑا ہوا۔

اماں اسے اور درِ شہوار کو دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں اور جب تک وہ دونوں رکشے میں بیٹھ نہیں گئے اور رکشہ پھٹ پھٹ کرتا چل نہ پڑا' اماں دروازے میں ہی کھڑی رہیں۔

☆ ☆ ☆

اور کیا قسمت پائی تھی بے چاری درِ شہوار نے' اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ شادی کے بعد پہلی بار اپنے میکے جائے گی تو رکشے کی سواری کرنا پڑے گی۔ اسے ساتھ بیٹھی لڑکی سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی اور اسی لمحے رکشہ ٹوٹی پھوٹی سڑک کے ایک گڑھے پر سے گزرا تو زوردار طریقے سے جھٹکا لگا۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے اور اگلے ہی پل دونوں ایک دوسرے سے اتنا فاصلہ رکھ کر بیٹھے جتنا رکشے کی گنجائش اجازت دیتی تھی۔

کون کہہ سکتا تھا' یہ دونوں ایک دن پرانے میاں بیوی ہیں۔ سارا سفر بالکل خاموشی سے کٹا تھا۔ احسان صاحب کے ہاں پہنچے تو وہ بہت بے تابی سے دونوں کے منتظر تھے۔ درِ شہوار' باپ کے سینے سے لگی تو کتنی ہی دیر چپٹی رہی۔ خاصا جذباتی سا سین تھا۔

وہ درِ شہوار کو یوں آنسو بہانے میں بالکل حق بجانب سمجھتا تھا۔ بے چاری کی قسمت کہاں جاکر پھوٹی تھی۔

"تم سناؤ بیٹا! کیسے ہو؟" درِ شہوار کو خود سے الگ کرکے وہ پوچھ رہے تھے۔

اور وہ جو اماں سے کہہ کر آیا تھا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے طرزِ عمل سے احسان صاحب کسی خوش گمانی میں مبتلا ہوں' اپنا دعوا یکسر فراموش کیے ان سے بہت ادب اور تمیز سے پیش آرہا تھا' یہ شاید اس کی تربیت کا خاصا تھا اور پھر احسان صاحب ایک دن کے اندر اندر ہی اتنے نڈھال اور کمزور ہوگئے تھے کہ انہیں دیکھتے ہی دل تاسف سے بھر گیا تھا۔

کتنی دھوم دھام سے شادی کررہے تھے اپنی بیٹی کی' کیا پتہ تھا کہ قسمت اتنا بڑا دھوکہ کرے گی ان کے ساتھ۔ وہ شاید ابھی تک ذہنی شاک کی کیفیت میں ہی ہوں' اسی لیے وہ اپنے انداز و اطوار سے انہیں مزید کسی پریشانی میں مبتلا نہ کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں کچھ وقت گزرنے کے بعد جب وہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر نارمل ہوجاتے تب وہ بہت سہولت اور رسان سے ان کے ساتھ یہ معاملہ نئے سرے سے ڈسکس کرسکتا تھا۔ ان کی بیٹی کے بہتر اور روشن مستقبل کے لیے وہ اسے اس نام نہاد بندھن اور جھوٹے سے آزاد کرکے



انہیں ایک اور موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے اسٹیٹس اور اپنی کلاس میں درِ شہوار کے لیے کوئی مناسب بر تلاش کرلیں۔

ایسا جیون ساتھی جس کے ساتھ درِ شہوار کی ذہنی ہم آہنگی ممکن ہوسکے اور وہ بنا کسی سمجھوتے کے ایک من پسند زندگی گزار سکے۔ لیکن ظاہر ہے فی الحال ان باتوں کو کرنے کے لیے یہ مناسب موقع نہ تھا۔ موسم' سیاست اور اسپورٹس پر بات کرنے کے علاوہ دونوں سسر داماد میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ درِ شہوار جانے گھر کے کس کونے کھدرے میں گم ہوگئی تھی اور ویسے وہ محل نما گھر اتنا بڑا تھا کہ اس میں کوئی بھی آسانی سے گم ہوسکتا تھا۔

وہاں گزارے گئے دو گھنٹوں میں اس نے کوئی بیس بار اس گھر کا موازنہ اپنے "قصرِ عالیشان" سے کیا تھا اور پھر ملازم نے کھانے کی میز لگنے کی اطلاع دی' تب وہ احسان صاحب کی معیت میں ڈائننگ روم پہنچا تھا۔

یہاں درِ شہوار موجود تھی۔ کھانے کے بعد اس نے جانے کی اجازت چاہی تھی' وہ یہاں درِ شہوار کو باپ سے ملوانے لایا تھا اور دو گھنٹے ان کے ساتھ گزار کر گھر واپس جارہا تھا۔ اس کی وجہ سے بے چاری درِ شہوار' باپ سے ڈھنگ سے مل بھی نہ سکی تھی۔

آج کی تاریخ میں اسے تیسری بار درِ شہوار سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی تھی اور جب احسان صاحب نے اسے اس کی بائیک کی چابی تھمائی جو وہ کل ہال میں رخصتی کے وقت شمی آنٹی کو دے کر آیا تھا تو وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"واپسی کا سفر لمبا ہے' آپ ایزی ہوکر بائیک پر بیٹھ جائیں گی یا ٹیکسی پر چلیں۔" اس نے شہوار سے پوچھا جو باپ سے گلے مل کر واپسی کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"نہیں' میں بیٹھ جاؤں گی۔" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی اور کل سے اب تک یہ پہلا موقع تھا جب اس نے شہوار کی آواز سنی۔

کیا مترنم لہجہ تھا' وہ اس کی خوبصورتی کے علاوہ اس کی آواز سے بھی متاثر ہوا لیکن شاید بائیک کی سواری کا تجربہ بھی اس کے لیے نیا ہی تھا' اس لیے بہت ڈرتے جھجکتے اس کے پیچھے بیٹھی تھی اور صنفِ نازک کو اپنے پیچھے بائیک پر بٹھانے کا تجربہ عمر کے لیے بھی نیا ہی تھا۔

اماں کو تو خیر صنفِ نازک میں شمار نہیں کیا جاسکتا تھا' وہ اپنے بھاری تن و توش کے ساتھ عمر کے پیچھے بیٹھتیں تو اس کے ضبط کا امتحان ہی لیتیں۔

"اماں! پلیز میرا کالر تو چھوڑ دیں۔ کندھے سے پکڑ لیں' یوں تو میرا دم گھٹ جائے گا۔" وہ بلبلا کر دہائی دیتا اور اماں کالر چھوڑ کر کندھا دبوچ لیتیں مگر یہ درِ شہوار صاحبہ جیسے ہچکچاتے ہوئے فاصلہ چھوڑ کر بیٹھی تھیں۔

عمر کو خدشہ ستا رہا تھا کہ وہ راستے میں کہیں لڑھک نہ جائے جیسے ہی بائیک نے کچھ اسپیڈ پکڑی یہی خدشہ درِ شہوار کو بھی ستایا ہوگا' تب ہی بہت غیر محسوس طریقے سے قریب ہوتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ ہولے سے اس کے کندھے پر رکھا تھا۔

اس حنائی ہاتھ کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے لطیف سے احساسات نے عمر کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا اور اسی احساس سے پیچھا چھڑوانے اور دھیان ہٹانے کے لیے اس نے بائیک کی اسپیڈ مزید بڑھا دی تھی۔ ساتھ ہی کندھے پر دباؤ بھی بڑھ گیا تھا مگر شاید کندھا پکڑنے سے اس کی تشفی نہ ہوئی تھی' جب ہی اگلے مرحلے میں پیچھے سے اس کی شرٹ شہوار کی مٹھی میں آگئی تھی۔

شرٹ کھینچنے سے اس کی گردن پر دباؤ بڑھنے لگا تو اس بے بسی کے عالم کے باوجود عمر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ موصوفہ کے اس عمل نے ثابت کردیا تھا کہ وہ اماں کی ہی بھانجی ہیں۔ یونہی سفر تمام ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابا کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے اور وہ تینوں بھائی کروٹوں پر کروٹیں بدل کر کتنی دیر سے سونے کی ناکام کوشش کرنے میں مصروف تھے۔ دن میں ابا کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ رات کو ابا ایسے جتاتی خراٹے لیتے ہوں گے۔

"اماں کی ہمت ہے بھئی۔" عفی نے بڑبڑاتے ہوئے ایک بار پھر کروٹ بدلی تھی۔ عمر دل ہی دل میں عفی کی بات سے متفق تھا۔

ایسے شفیق' شائستہ' نفیس اور مرنجان مرنج ابا رات کو اپنے ساتھ سونے والوں کے ضبط کا ایسا امتحان بھی لے سکتے تھے' اس کا اندازہ پہلے تو کبھی نہ تھا۔

"بھائی کیا وقت ہوا ہے؟" اجو کو پتہ تھا کہ عمر بھی جاگ رہا ہے' اس لیے دھیمی سی آواز میں پوچھا۔ اس نے



www.pkdigest.com

سرہانے پڑا موبائل اٹھایا۔
"دو بج کر آٹھ منٹ۔" وقت دیکھ کر اجو کو بتادیا۔
دس منٹ بعد اجو کی برداشت جواب دے گئی تھی۔
"میں تو ڈرائنگ روم میں جارہا ہوں' صوفے پر ہی سو جاؤں گا۔" وہ تکیہ اٹھا کر چلا گیا۔ دو بج کر چالیس منٹ تک عفی نے ابا کے خراٹے بند ہونے کا انتظار کیا تھا پھر وہ بھی اٹھ گیا۔
"کہاں چلے؟" اسے تکیہ اور چادر اٹھاتا دیکھ کر عمر نے استفسار کیا۔
"ڈرائنگ روم میں۔" اس نے بیڈ کے نیچے سے سلیپر نکالے۔
"صوفے پر تو اجو سو رہا ہوگا۔"
"کوئی بات نہیں' نیچے کارپٹ پر چادر بچھا کر سو جاؤں گا۔"
عفی نے ابا کے خراٹوں پر نیچے سونے کو ترجیح دی تھی' ورنہ تینوں بھائیوں میں سے کوئی بھی نیچے سونے کا عادی نہ تھا۔ اب ابا کے رحم و کرم پر صرف عمر ہی بچ گیا تھا۔
کروٹیں بدلتے بدلتے جانے کتنا وقت مزید بیتا تھا' جب نیند نے خراٹوں کی آواز پر غلبہ پالیا تھا اور ابھی آنکھ لگے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ ابا نے با آواز بلند پکار کر پھر جگا دیا۔
"نیک بخت! کیا وقت ہوا ہے' اذان ہوگئی یا دیر ہے۔" ابا یقیناً بھول چکے تھے کہ آج وہ اپنی نیک بخت کے ساتھ نہیں سو رہے۔
"ابا! ابھی سو جائیں' اذان میں دیر ہے۔" اس نے ٹائم دیکھ کر انہیں بتایا تھا اور ابا تو واقعی پھر سو گئے تھے لیکن اس کی نیند پکی اچاٹ ہوگئی۔
زندگی یہ کن گناہوں کی سزا دینے پر تلی ہوئی تھی۔ باقی رات اسی سوچ و بچار میں کٹی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بیٹا! رات نیند تو صحیح طرح سے آئی نا!" ناشتے کی میز پر اماں بہت دلار سے نئی دلہن سے مخاطب تھیں۔
آج چونکہ اسے آفس جانا تھا' اس لیے وہ بھی اس وقت باول نخواستہ اس فیملی بریک فاسٹ میں موجود تھا۔
"رات کو مچھر بہت تھے' میں یہی سوچتی رہی جانے تم تنگ نہ ہو رہی ہو۔"
"نہیں آنٹی! مجھے تو پتہ بھی نہیں چلا' بہت گہری نیند آئی۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔
"اچھا اب تم مجھے آنٹی نہ کہا کرو' اماں کہا کرو نا!" اماں کی فرمائش پر عمر بس انہیں دیکھ کر رہ گیا۔
"رات مچھر واقعی بہت تھے' مجھے بھی رات کو صحیح طرح سے نیند نہیں آئی۔ عمر کی اماں۔ آج تو مغرب کے ٹائم ہی کوائل جلا لینا۔" ابا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ اس بار اجو اور عفی اپنی ہنسی ضبط نہ کر پائے۔
"ہاں تو اور کیا' نیند تو مجھے بھی نہیں آئی۔ ساری رات مچھر کانوں کے پاس بھنبھناتے رہے۔" اماں ان کی ہنسی کا نوٹس لیے بنا اپنی ہی دھن میں بولی تھیں۔
"بے چارے مچھروں کے بھنبھنانے سے آپ کی نیند اڑ گئی اماں اور ابا جو اتنے زور سے خراٹے لیتے ہیں۔" اجو نے کھکھلاتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔
"اچھا تو دونوں صاحبزادے میرے خراٹوں سے تنگ آکر ہی صبح کے وقت ڈرائنگ روم میں سوتے ہوئے پائے گئے تھے۔" ابا نے مسکرا کر کہا۔
"اور نہیں تو کیا' اتنے زور زور سے آپ خراٹے لے رہے تھے' ہمیں تو نیند ہی نہیں آئی۔" اجو نے بنا کسی لحاظ کے جتایا تھا۔
"عمر بیٹا تم تو ابا کے خراٹوں سے تنگ نہیں ہوئے۔" اماں نے تشویش سے پوچھا۔
"نہیں' میں سو گیا تھا۔" اس نے سنجیدگی سے مختصر سا جواب دیا۔
البتہ دل ہی دل میں جھنجلایا ضرور تھا۔ ناشتے کی میز پر کتنے شاندار موضوع ڈسکس ہوتے تھے اس گھر میں' اجو' عفی اس کے جواب پر ایک بار پھر ہنس پڑے تھے۔ رات اس کی بے چینی ان دونوں سے چھپی تو نہ تھی۔
وہ ان کے یوں دانت نکوسنے پر زبردست طریقے سے جھاڑنا چاہتا تھا مگر شہوار کی موجودگی کے باعث یہ خواہش دل میں دباتے ہوئے محض گھورنے پر ہی اکتفا کر پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور اماں نے کہا تھا کہ عورت ذات میں بہت لچک ہوتی ہے' وہ ہر طرح کے ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہے۔ اماں کی بات اس حد تک سچ ثابت ہوگی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
درِ شہوار جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی' خصوصاً اس



کلاس کی کسی لڑکی سے یہ وہ توقع کر ہی نہ سکتا تھا کہ وہ ایک مڈل کلاس گھرانے میں گزارا کر پائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ درِ شہوار آسائشات میں پلی بڑھی نازک مزاج سی امیرزادی ہوگی اور ان کے "غریب خانے" میں چند روزہ نخوت بھرے قیام کے بعد وہ واپس اپنی راجدھانی میں لوٹ جائے گی لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ اندازے غلط ثابت ہوتے جارہے تھے۔
وہ نہ کہیں سے نازک مزاج امیرزادی لگتی تھی' نہ اس کے انداز و اطوار میں نخوت جھلکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا یہ گھر چھوڑ کر جانے کا تو قطعی کوئی ارادہ نہ لگتا تھا۔
شروع شروع میں تو اس نے شہوار سے سامنا ہونے پر بظاہر سرسری مگر جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینا چاہا تھا مگر وہ کوشش کے باوجود اس کے چہرے پر کوفت' بے زاری' اکتاہٹ یا جھنجلاہٹ جیسا کوئی تاثر نہ تلاش کر پایا' البتہ اپنی اس کوشش میں ناکامی کے بعد وہ کوفت' بے زاری' اکتاہٹ اور جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوگیا تھا۔
راستے الگ کرنے کے لیے اب جو کچھ کرنا تھا وہ عمر کو ہی کرنا تھا۔ اس کی انا یہ ہرگز گوارا نہ کرتی تھی کہ درِ شہوار ایک سمجھوتہ بھری زندگی کو مقدر سمجھتے ہوئے صبر شکر کر کے اس کی زندگی میں شامل ہوجائے۔
وہ خاصا خود پسند واقع ہوا تھا۔ اپنی شخصیت پر یہ زعم اسے ایک عرصے سے تھا کہ جو بھی لڑکی اس کی ہمراہی اختیار کرے گی' اپنی قسمت پر رشک کرے گی لیکن یہاں معاملہ مختلف تھا۔ وہ درِ شہوار جیسی لڑکی کا آئیڈیل تو ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔
وہ بے چاری تو مقدر کے کھیل میں شکست کھا کر اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی اور اپنے بوڑھے اور بیمار باپ کے خیال نے اسے یہ ان چاہی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا تھا۔
اسے زیادہ غصہ اپنے گھر والوں پر بھی آتا تھا۔ وہ ان کے گھر میں ایک عارضی مہمان تھی' وہ کیوں اس کے ساتھ دل کے رشتے جوڑ رہے تھے۔ ابا جب بھی گھر آتے پہلی پکار شہوار بیٹی کے نام کی ہی پڑتی۔ اماں اسے پکڑ کر بالوں میں مالش کر رہی ہوتیں اور خفا بھی ہوتیں کہ وہ اپنے خوبصورت بالوں کا بالکل خیال نہیں رکھتی۔
اجو اور عفی کی تو وہ شہوار آپی تھی ہی' شروع شروع میں دونوں نے اسے بھابھی کہنا شروع کیا تھا لیکن عمر نے انہیں گھرک دیا۔
"خبردار جو میرے حوالے سے اس سے رشتہ جوڑا۔ آپی' آپا' باجی جو مرضی کہہ لو' بھابھی مت کہنا۔"
"گلاب کو جس نام سے بھی پکارو رہے گا وہ گلاب ہی' ہیں تو وہ ہماری بھابھی۔ چلیں آپ کی خوشی کی خاطر ہم انہیں آپی کہہ لیں گے۔" عفی نے گہرا فلسفہ بولا' وہ اسے گھور کر رہ گیا تھا۔
خیر ایک حد تک گھر والے بھی حق بجانب تھے۔ ابا اور اماں کو بیٹی کی شدید ترین خواہش تھی۔ یہ ایک ایسی محرومی تھی' جس کا اظہار دونوں کی جانب سے ہی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا۔
عفی اور اجو کو بڑی بہن کا ارمان تھا۔ درِ شہوار نے ان کے گھر میں لڑکی کی کمی بہت اچھے طریقے سے پوری کردی تھی۔ اگر وہ بھی عفی یا اجو کی جگہ ہوتا تو بخوشی گھر میں اس کی موجودگی برداشت کرلیتا لیکن یہاں اس کی لائف پارٹنر کا مسئلہ تھا۔
ایسا شریک سفر جس سے اس کی ذہنی ہم آہنگی ممکن ہو سکے لیکن درِ شہوار کی شکل میں قدرت نے اسے ایسی بیوی عنایت کردی تھی جس سے ذہنی ہم آہنگی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔
وہ یا تو اس کے حسن سے متاثر ہو سکتا تھا یا اس کے اسٹیٹس سے مرعوب اور وہ ہرگز ایسی مرعوبیت بھری زندگی گزارنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس صورت حال سے نمٹنے کا فی الحال کوئی طریقہ بھی تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور جھنجلاہٹ تھی کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ آج کل اپنے ہی گھر میں ایسے زندگی بسر کر رہا تھا جیسے "اندلس میں اجنبی۔"
کس مزے سے اس لڑکی نے گھر والوں سمیت پورے گھر پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔
شروع شروع میں تو اس کے انداز میں پھر بھی تھوڑی بہت جھجک پائی جاتی تھی۔ اماں' ابا سے دھیمے لہجے میں بولنے والی شہوار اور عفی' اجو کی باتوں پر ہولے ہولے مسکرانے والی شہوار اب اماں' ابا سے پٹر پٹر باتیں کرتی اور



www.pkdigest.com

عفی' اجو پر تو بالکل بڑی آپا کی طرح رعب جماتی تھی۔

اتنے تھوڑے عرصے میں اس نے یہاں پورے مالکانہ حقوق کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کردی تھی۔ اسے تو کبھی کبھار یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس گھر میں نیا آیا ہے' شہوار کو دیکھ کر تو یوں لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے یہیں رہ رہی ہے۔

وہ آفس سے لوٹتا تو پہلے کے برعکس گھر والوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا تھا' بلکہ مل بیٹھنے کا تو کیا گھر میں چلنے پھرنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا کہ در شہوار بہت مزے سے پورے گھر میں گھومتی پھرتی تھی۔ کبھی اماں کے پاس کچن میں ہوتی تو کبھی عفی' اجو کے ساتھ ٹی وی پر اسپورٹس دیکھتے ہوئے شرطیں لگ رہی ہوتیں۔

رات کو اکثر ابا کے ساتھ ٹاک شوز دیکھتے ہوئے سیاسی امور اور ملکی معاملات پر تبادلۂ خیال فرمایا جارہا ہوتا۔ اس کے ہنسنے بولنے کی آوازیں گھر کے ہر کونے سے آرہی ہوتیں اور وہ اپنے کمرے میں یوں بند ہو کر بیٹھ جاتا جیسے بایوں کی دلہن۔ یہ تشبیہ بھی اسے ایک دن عفی نے دی تھی اور زبردست طریقے سے جھاڑ بھی کھائی تھی مگر دل ہی دل میں وہ عفی کی بات سے متفق ہو گیا تھا۔

کتنی قابل رحم زندگی ہو گئی تھی' نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ گھر میں تفریح کا واحد ذریعہ ٹی وی تو چھن ہی گیا تھا' راتوں کی نیند بھی روٹھ گئی تھی۔ پہلے وہ رات کو دیر تک ٹی وی دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں سونے جاتا تھا مگر اب ٹی وی والے کمرے میں عفی یا اجو پڑھ رہے ہوتے تھے کہ ان کے کمرے میں اب عمر کے ساتھ ابا سوتے تھے اور ابا کے خراٹوں کی آواز میں نہ تو کوئی سو سکتا تھا' نہ پڑھ سکتا تھا۔ سو عفی' اجو کا ڈیرہ آج کل ٹی وی والے کمرے میں ہی لگتا تھا۔

رہا عمر۔۔۔ تو اس کی زندگی کے یہ بدترین شب و روز تھے۔ رات کو ابا کے خراٹے مسلسل اس کے ضبط کا امتحان لیتے رہتے' کروٹیں بدل بدل کر جسم دکھنے لگتا اور جب کبھی خراٹوں کی آواز پر نیند غلبہ پا لیتی تو ابا سوتے میں بول اٹھتے۔

"نیک بخت! حلق سوکھ رہا ہے' ذرا پانی تو پلانا۔"

"ابا! میں نیک بخت نہیں ہوں۔" وہ روہانسا ہو کر اٹھتا اور انہیں پانی پلاتا۔

ابا آنکھیں کھول کر دیکھتے تو نیک بخت کے بجائے لخت جگر پانی کا گلاس لیے کھڑا ہے تو جھینپ کر وضاحت دیتے۔

"معاف کرنا یار! ابھی تمہارے ساتھ سونے کی عادت نہیں ہوتی ہے' پھر بڑھاپے میں یادداشت کمزور ہو ہی جاتی ہے۔ بھول کر تمہاری اماں کو پکار لیتا ہوں۔ ناحق تمہاری نیند خراب ہوتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ابا! آپ پانی پئیں۔" وہ اتنا بھی ناخلف نہیں تھا' سو تابعداری سے انہیں پانی کا گلاس پیش کرتا اور پھر دو گلاس پانی خود چڑھا کر ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگتا لیکن پوری رات اسی آنکھ مچولی میں گزرتی۔

ہر آدھے پونے گھنٹے کے بعد ابا کو اپنی نیک بخت کی یاد ضرور ستاتی۔ کبھی پنکھے کی اسپیڈ کم کروانا ہوتی تو کبھی زیادہ' کبھی کھڑکی کے پٹ کھلوانے ہوتے تو کبھی بند کروانے' کبھی دروازے کا پردہ سرکوانا ہوتا تو کبھی محض ٹائم پوچھنا ہوتا۔

آخر اماں نے ابا کے ساتھ انتیس سال کیسے گزار لیے' اسے آج کل اماں کی برداشت پر جی بھر کر رشک آتا تھا اور اماں کا بیٹا ہونے کے باوجود اس میں برداشت کی اتنی کمی کیوں ہے؟ یہ بات آج تک سمجھ میں نہ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کتنے نالائق ہو تم اجو! پچھلے تین دنوں سے میں تمہیں انٹی گریشن کے فارمولے رٹوا رہی ہوں اور تمہیں صحیح فارمولا اپلائی ہی کرنا نہیں آرہا۔"

برآمدے میں اس وقت شہوار' اجو کی کلاس لے رہی تھی اور وہ جو اندر کمرے میں بیٹھا' لیپ ٹاپ پر کوئی آفس کا کام کرنے میں مشغول تھا' بار بار دھیان بھٹک کر باہر کی آوازوں پر چلا جاتا۔

"ہمارے گھر میں صرف بھائی ہی لائق ہیں آپی! میں اور عفی تو اچھے خاصے نالائق ہیں۔" اجو فراخ دلی سے تسلیم کر لیتا۔

عمر نے سننا چاہا کہ وہ جواب میں کیا کہتی ہے لیکن وہاں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی جس طرح عمر اسے مکمل نظرانداز کر رہا تھا' بالکل اسی طرح کا رویہ شہوار نے بھی اپنایا ہوا تھا۔

وہ باقی گھر والوں کے ساتھ ہنس بول رہی ہوتی لیکن جیسے ہی عمر سامنے آتا وہ خاموشی سے ادھر ادھر ہو جاتی۔ اپنا یوں نظرانداز کیا جانا بھی عمر کو کب گوارا تھا۔ وہ آج کل متضاد ذہنی کیفیات میں الجھا ہوا تھا۔

www.pkdigest.com

دل کیا چاہتا ہے اور دماغ کیا کہتا ہے' کبھی کبھار وہ خود یہ سمجھنے سے قاصر رہتا تھا۔ جیسے اس وقت اس کے کان متمنی تھے کہ وہ اجو کی بات کا جواب شہوار کے لبوں سے سنے مگر شہوار کے بجائے عفی کی آواز سننے کو ملی تھی۔

"بھائی نے ایف ایس سی میں بورڈ میں تیسری پوزیشن لی تھی شہوار آپی!" عفی پاس بیٹھا آلو چھیل رہا تھا' اس نے نہایت فخر سے درِ شہوار کو آگاہ کیا۔

"تم اماں کے گھر سے باہر جانے کا کتنا فائدہ اٹھاتے ہو عفی! کل بھی اماں کہہ رہی تھیں کہ لگتا ہے آج کل آلوؤں کے بھی پاؤں اگ آئے ہیں' میں ادھر گھر میں لاتی ہوں ادھر وہ نہیں چلے جاتے ہیں۔ تمہیں جب بھی موقع ملتا ہے تم چپس بنانے کھڑے ہو جاتے ہو۔ آج اماں آئیں گی تو میں بتاؤں گی انہیں۔" شہوار نے جیسے عفی کی بات سنی ہی نہ تھی۔

عمر کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر گئی' گویا موصوفہ سے میری تعریفیں ہضم نہیں ہو رہیں۔

"میں آج چپس نہیں بنا رہا شہوار آپی! آج میرا کلاس بنانے کا پروگرام ہے۔" عفی نے اسے آرام سے آگاہ کیا۔

"اتنے آلو کھاؤ گے عفی تو موٹے ہو جاؤ گے۔" شہوار نے جیسے اسے ڈرانا چاہا۔

"ہماری فیملی کی جینز میں موٹاپا ہے ہی نہیں شہوار آپی! ورنہ بھائی بھی آلو' چاول وغیرہ جیسی چیزیں بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ یعنی ٹوٹلی کاربوہائیڈریٹ لیکن دیکھ لیں کتنے اسمارٹ ہیں۔" عفی نے پھر آلوؤں کے بیچ میں بھائی کو گھسیٹ لیا تھا۔

"اچھا دکھاؤ یہ آلو آج کلاس میں بناتی ہوں۔ کیا یاد کرو گے کبھی ایسے ٹیسٹی کلاس کھائے بھی نہ ہوں گے۔"

وہ اس کے ہاتھ سے آلو کی پلیٹ اور چھری لے کر کچن میں گھس گئی تھی اور اندر کمرے میں موجود "بھائی صاحب" کے لبوں پر جانے کیوں مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آفس سے آئے ہوئے اسے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی' آج دوپہر کو کام میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ لنچ کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ اس وقت بھوک کے مارے برا حال ہو رہا تھا لیکن سب لوگوں کی صحن میں محفل جمی ہوئی تھی۔

رات کے کھانے کا کسی کا کوئی پروگرام نہ لگ رہا تھا' وہ کافی دیر تک کمرے میں لیٹا رہا۔ آخر تنگ آ کر اجو کو آواز دی۔

"جی بھائی!" اجو نے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے تیوریاں چڑھا کر دریافت کیا۔

اجو نے حیرت سے پہلے بھائی کو دیکھا پھر سامنے لگے وال کلاک کو۔

"آٹھ بج کر سترہ منٹ بھائی!" وہ جواب دے کر پلٹنے والا تھا' اس کے عجلت بھرے انداز پر عمر تپ گیا۔

"میں نے تمہیں صرف وقت دیکھنے کے لیے بلایا تھا؟" اس کا جی چاہا اجو کو سالم نگل لے۔

"جی بھائی! اسی بات پر تو میں حیران ہو رہا ہوں۔ وہ سامنے ہی تو لگا ہے وال کلاک۔ ٹائم بالکل ٹھیک ہے' میں نے کل ہی سیل ڈالا ہے اس میں۔" اجو نے اطلاع دی۔

"آج کھانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے کیا؟" اجو کو حتی المقدور گھورنے کے بعد پوچھا تھا۔

"کھانا... ہاں... آج شہوار آپی کچھ بنا رہی ہیں۔ روٹیاں تو میں تندور سے لگوا آیا ہوں۔ دوپہر کو اماں نے بھنڈی گوشت بنایا تھا' وہ بھی ہے۔ بس اب شہوار آپی کی ڈش تیار ہو جائے تو دسترخوان لگاتا ہوں۔" اجو نے جواب دیا تھا۔

"کیا پکایا ہے محترمہ نے؟" وہ لہجے کو طنزیہ ہونے سے نہ روک پایا۔

"پتا نہیں بھائی! کوئی چائنیز یا تھائی ڈش ہے' بہت ساری سبزیاں مکس کر کے کوئی ڈش بنائی ہے اور بھی بہت کچھ ڈالا ہے' خوشبو تو بہت مزے کی آ رہی ہے' دراصل شہوار آپی کے ہاتھ میں ذائقہ ہی بہت ہے۔" اجو نے اسے پھر اطلاع دینے والے انداز میں بتایا تھا۔

"اس سے پہلے کتنی بار شہوار آپی کے ہاتھ کا پکا کھانا کھایا ہے تم نے۔" اس نے اجو کو گھورا تھا۔ وہ کھسیا کر ہنس پڑا۔

"کھائیں گے تو آج پہلی مرتبہ ہی' لیکن اندازہ ہے کہ شہوار آپی جو بھی بنائیں گی اچھا ہی بنائیں گی' دراصل شہوار آپی..."

"اچھا جلدی سے دسترخوان لگاؤ اور جیسے ہی کھانا تیار



ہو جائے مجھے بلا لینا۔" اس نے اکتا کر اجو کی بات کاٹی تھی' وہ سر ہلا کر چلا گیا۔

"بھائی کہہ رہے ہیں جلدی سے دسترخوان لگا لو۔ اتنے مزے کی خوشبو آ رہی ہے کہ بھوک چمک اٹھی ہے۔"

اجو نے اس کی بات کے ساتھ اس چابک دستی سے اپنی بات کا اضافہ کیا کہ سننے والوں کو پورا بیان عمر کا ہی معلوم ہوا اور اندر بیٹھے عمر کا جی چاہا کہ اجو کو کچا ہی چبا جائے۔

"ہاں بس بھائی سے کہہ دے کہ ہاتھ منہ دھو کر آ جائے کھانا تیار ہے۔" اماں کہہ کر باورچی خانے میں جا گھسیں۔ درِ شہوار پہلے ہی کچن میں تھی' البتہ اجو اپنی جگہ بیٹھا رہا' دوبارہ اندر جانے کی ہمت جو نہیں تھی۔

پانچ منٹ بعد وہ خود ہی کمرے سے نکل آیا' شہوار دسترخوان پر کھانا چن رہی تھی۔ اس نے ایک سرسری نگاہ شہوار پر ڈالی۔ پورے دن میں یہی کھانے کے اوقات ہوتے تھے جب دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تھا کہ اکیلے بیٹھ کر کھانے کی اسے بالکل عادت نہیں تھی۔ سو کچھ دنوں تک اپنے کمرے میں کھانا منگوانے کی پریکٹس چھوڑ کر آج کل وہ سب کے ساتھ دسترخوان پر ہی کھانا کھاتا تھا۔

درِ شہوار آج بالکل گھریلو حلیے میں تھی۔ کچن میں کام کرنے کی وجہ سے چہرے کی صاف شفاف ملائم جلد پر پسینہ چمک رہا تھا۔ بالوں کی لٹیں کان کے پیچھے اڑسی ہوئی تھیں۔ دل میں اس کے لیے ایک دم ہی بے پناہ ہمدردی کا احساس جاگا تھا۔

اس کے گھر میں تو نوکروں کی فوج تھی' کچن میں جھانک کر بھی کہاں دیکھتی ہو گی۔ یہاں روزانہ اماں کا ہاتھ تو بٹاتی تھی' مگر آج تو کھانا اس نے خود بنایا تھا' جب ہی حال سے بے حال ہو رہی تھی۔

اس کی جلد پر پسینے کے چمکتے قطرے اسے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ جانے آج کل دل کیوں اس سے بے پناہ ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔

"اب آ بھی جائیں شہوار آپی! ہم سب کا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔" اجو نے اسے پکارا۔

"ہاں بس پانی لے آؤں۔" وہ پلٹی تھی۔

"یہ اجو' عفی بھی کتنے بڈ حرام ہو گئے ہیں۔ مزے سے نوابوں کی طرح دسترخوان پر آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ وہ بے چاری چکر پر چکر کاٹ رہی ہے۔" اسے اجو' عفی کی بڈ حرامی کھلی تھی۔

اس گھر میں نوابوں کی طرح بیٹھنے کا حق اس کے خیال میں صرف اسے ہی حاصل تھا۔

وہ پانی کی بوتل لے کر آئی تو دسترخوان کا کورم پورا ہوا' سب لوگوں نے کھانے کا آغاز شہوار کی بنائی ہوئی ڈش سے ہی کیا تھا۔ آبا نے سالن ڈال کر ڈونگہ اس کے آگے کیا۔ عمر نے بھی ذرا سا سالن پلیٹ میں نکالا۔

یہ سبزیوں کا عجیب و غریب سا ملغوبہ تھا۔ سبزیوں سے تو اسے ویسے ہی کوئی خاص شغف نہ تھا۔ ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ یہ ملغوبہ نما چیز کو آگے کھسکا کر پلیٹ میں بھنڈی گوشت نکال لے' لیکن پھر اپنے ارادے پر نظر ثانی کر لی۔

آج بے چاری نے پہلی بار اپنی پسند کی کوئی چیز پکائی تھی۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی' وہاں چینی' جاپانی' اطالوی کھانے ہی شوق سے کھائے جاتے ہوں گے۔ یہاں اسے روزانہ اماں کے ہاتھ کے پکے دیسی قسم کے کھانے نصیب ہوتے تھے۔ اچھا ہے آج مروت برتنے کے بجائے اس نے اپنی پسند کی چیز پکالی۔ آخر سمجھوتوں کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

عمر نے دل ہی دل میں اس کے فیصلے کو سراہتے ہوئے کھانے کا آغاز کیا تھا' لیکن پہلا نوالہ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ آج مروت برتنے کی باری ان لوگوں کی ہے۔ کیسا عجیب و غریب سا ذائقہ تھا اس ڈش کا۔ نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا' مگر مروت کا تقاضا تھا کہ اس نے چپ چاپ اگلا نوالہ بھی منہ میں ڈال لیا' لیکن باقی گھر والے اتنے بے مروت ثابت ہوں گے اس کا عمر کو اندازہ ہی نہ تھا۔ سب سے پہلے ابا نے اماں کو مخاطب کیا۔

"نیک بخت ذرا بھنڈی گوشت کا ڈونگا پکڑانا۔" ابا نے کہا تو اماں نے ڈونگہ ابا کے سامنے رکھ دیا۔

اس کے بعد عفی نے ڈونگہ اپنے آگے سرکا لیا تھا۔ عفی سالن نکال چکا تو اجو نے خالی پلیٹ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں' عمر تاسف سے سب گھر والوں کو دیکھ کر رہ گیا۔

ویسے شہوار کے نام کی مالا جپتے رہنے سے فرصت نہیں ملتی تھی اور آج اس بے چاری کا ذرا سا دل بھی نہیں رکھ پائے۔

"بھائی آپ کو بھی سالن ڈال دوں۔" اجو نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا' اگرچہ شدید بھوک کے عالم میں یہ بدمزہ کھانا حلق سے اتارنا مشکل ہو رہا تھا' لیکن وہ دل پر صبر کرتے ہوئے کھانا کھاتا رہا۔



www.pkdigest.com

عمر زاور بعد حیرت کی انتہا نہ رہی‘ جب درِ شہوار صاحبہ نے خود اجو سے ہنڈی گوشت کا ڈونگا پکڑانے کا کہا۔

"کتنے عجیب سے ذائقے کا سالن بنا ہے نا‘ حالانکہ ٹی وی پر دیکھتے ہوئے تو بہت مزے کی ڈش لگ رہی تھی۔" اجو نے اسے ڈونگا پکڑاتے مخاطب کیا۔

"ہاں‘ آئندہ تو میں اس شیف صاحبہ کی کوئی ریسیپی ٹرائی نہ کروں‘ کہہ رہی تھی بہت مزے دار ٹیسٹ ہوگا‘ لیکن میرے تو حلق سے ہی نہیں اتر رہا‘ پتا نہیں کون لوگ ہوتے ہیں جو اتنے بدمزہ کھانے بھی مزے سے کھا لیتے ہیں۔" اس نے سادہ سے لہجے میں ایک بات کی تھی۔

"بھائی جیسے۔" علی کی بڑبڑاہٹ دھیمی تھی مگر پھر بھی دسترخوان کے گرد بیٹھے سب لوگوں نے باآسانی سن لی تھی۔

شہوار نے ایک دم نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پہلے ہی اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پر دونوں گڑبڑا سے گئے تھے۔

وہ تو دوبارہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ البتہ درِ شہوار خفیف سی ہو گئی تھی۔ باقی سب لوگوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ بلاوجہ ہی ایک مبہم سی مسکراہٹ نے عمر کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔

جانے کیوں اس ملغوبہ نما چیز کا ذائقہ اسے اتنا بھی برا نہ لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شکر ہے بھائی! آپ آ تو گئے۔" مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں‘ جب وہ گھر لوٹا اور اجو نے دروازہ کھولتے کے ساتھ ہی شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"کیوں میں نے گھر نہیں آنا تھا کیا؟" اس نے اسے گھورتے ہوئے خوشی کی وجہ دریافت کی۔

"نہیں دراصل اماں‘ ابا‘ افضل چچا کی عیادت کرنے گئے ہیں۔ پرسوں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ٹانگ پر پلستر چڑھا ہے۔" اجو کی اکثر باتیں سوال گندم جواب چنا جیسی ہوتی تھیں۔

افضل چچا ابا کے گہرے دوست تھے‘ مگر اماں‘ ابا کے وہاں جانے سے اس کے گھر آنے کا کیا تعلق تھا‘ وہ سمجھ نہ پایا۔

"پھر؟" وہ تھکے تھکے انداز میں صحن میں بچھے پلنگ پر بیٹھ گیا تھا۔

"اور علی کا تو آپ کو پتا ہی ہے کہ وہ کالج ٹرپ کے ساتھ گیا ہوا ہے‘ رات تک ہی لوٹے گا۔"

"اچھا تو۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں تفصیل سنانے کی وجہ دریافت کی۔

"اور میں اکیڈمی جا رہا ہوں۔ آج میرا فزکس کا منتھلی ٹیسٹ ہے۔ مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"تو یار! میں کیا کروں؟" وہ باقاعدہ زچ ہو گیا تھا۔

"میں تو صرف اس لیے بتا رہا ہوں بھائی کہ آپ کو اماں‘ ابا کے آنے تک گھر پر ہی رکنا ہے‘ اماں کہہ گئی تھیں کہ کہیں آپ دوستوں وغیرہ کی طرف مت نکل جایئے گا۔ دراصل شہوار آپی گھر پر اکیلی ہیں نا!" اجو نے لمبی سی تمہید کی وجہ بھی بتا ڈالی۔

"ٹھیک ہے نا بھائی!" اجو کو اس کی خاموشی سے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اماں کی نصیحت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا حسب عادت بات سنی ان سنی کر دی ہے۔ اسی لیے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا کہ اماں تاکید ہی اتنی سختی سے کر گئی تھیں۔

"سن لیا ہے بابا! تم جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے زاری سے بولا۔

اجو نے واقعی جانے میں دیر نہیں لگائی۔ کتابیں اور سائیکل لے کر فوراً رفو چکر ہو گیا۔ وہ دروازہ بند کر کے پلنگ پر جوتوں‘ جرابوں سمیت نیم دراز ہو گیا۔ جانے درِ شہوار کہاں تھی۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا۔

کتنا عجیب سا احساس تھا کہ اس وقت گھر کی چھت تلے صرف وہ دونوں ہی موجود تھے۔ کچھ دیر تک آنکھیں موندے وہ درِ شہوار کو ہی سوچتا رہا‘ پھر ایک گہرا سانس لے کر اٹھ بیٹھا۔

بہت دنوں سے وہ سوچ رہا تھا کہ درِ شہوار سے یہ معاملہ ڈسکس کرنا چاہیے۔ آخر یہ اس لڑکی کی پوری زندگی کا معاملہ تھا‘ اسے اسی طرح کتنی دیر تک لٹکایا جا سکتا تھا۔ مسئلے کا کچھ نہ کچھ حل نکالنا تو ضروری تھا۔

اگرچہ اسے تسلیم تھا کہ شروع میں اس نے شہوار کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ سراسر ایک مفروضے پر مبنی تھی‘ وہ ہرگز ایک بگڑی ہوئی رئیس زادی نہیں تھی بلکہ ایک بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ پچھلے کئی دنوں سے یہ اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی متواتر اس کے دل کے کواڑوں پر دستک دیے جا رہی تھی لیکن



فی الحال اس دستک کو سنی ان سنی کر رہا تھا‘ کیونکہ اس کے خیال میں اس لڑکی کی اچھائی کی یہ قیمت وصول کرنا زیادتی میں شمار ہوتا‘ اگر اسے ایک بہترین زندگی کے انتخاب کے حق سے محروم کر دیا جاتا۔

قسمت نے ایک بار تو اس کے ساتھ اپنا داؤ کھیل لیا تھا‘ لیکن اب وہ اس اچھی لڑکی کو اپنی نئی زندگی کی راہیں چننے کے لیے مکمل آزادی دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے یہ یقین اور اعتماد دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہے‘ عمر کی طرف سے اس پر کوئی زور زبردستی یا دباؤ نہیں ہے۔

نہ ہی اماں وغیرہ کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس گھر سے تعلق توڑنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کرے۔ یہ اس کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اس کے گھر والے ہرگز اتنے کٹھور نہیں تھے کہ اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتے۔ چاہے انہیں اپنے دل پر بھاری پتھر رکھنا پڑتا‘ مگر وہ شہوار کی خوشی کی خاطر نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اسے نئی زندگی شروع کرنے کا موقع دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرتے۔

اسے شہوار کو یہ سب سمجھانا تھا اور آج ہی سمجھانا تھا کہ قدرت نے بہت دنوں بعد یہ موقع فراہم کیا تھا اور وہ یہ گولڈن چانس مس نہ کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ ٹی وی والے کمرے میں تھی‘ کیونکہ اب ٹی وی کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ اپنے ذہن میں اس سے بات کرنے کے لیے جملے ترتیب دیتا ہوا وہ کمرے کے دروازے تک جا پہنچا تھا۔

قدموں کی چاپ پر شہوار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئی۔ گویا اس کی موجودگی کو یکسر فراموش کر دی تھی۔

وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے ہچکچا گیا تھا۔ کہاں وہ آج تفصیلی بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا‘ کہاں مخاطب کرنا ہی مسئلہ لگ رہا تھا۔ کچھ لمحوں تک وہ منتظر رہا کہ شہوار نگاہیں اٹھا کر دیکھے تو وہ اسے مخاطب کر کے بات کا آغاز کرے‘ مگر وہ بہت انہماک سے اسکرین پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی اور اسی لمحے دروازے پر زور دار دستک ہوئی تھی۔

وہ گہرا سانس لیتا ہوا واپس مڑا۔ دروازے پر اجو کا کوئی دوست تھا‘ کتاب واپس کرنے آیا تھا‘ اس نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورنے کے بعد کتاب تھام لی۔ وہ بےچارہ شکریہ ادا کرنا ہی چاہتا تھا کہ عمر دھاڑ سے دروازہ بند کرتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔

اتنے میں ہی سامنے کمرے سے درِ شہوار نکلی اور چھپاک سے اماں اور اپنے مشترکہ کمرے میں گھس گئی۔ کتنی دیر تک وہ منتظر کھڑا رہا کہ وہ باہر نکلے مگر انتظار ہی رہا۔

"حد ہوتی ہے یوں کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی ہے جیسے میں کھا ہی تو جاؤں گا۔" ذرا دیر پہلے اچھی لڑکی کے لیے دل میں پیدا ہونے والے جذبات اڑنچھو ہو چکے تھے‘ اب تو اماں کے کمرے کا بند دروازہ اسے سخت تاؤ چڑھا رہا تھا۔ وہ جھنجلاتا ہوا ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔

"چوکیدار ہوں نا جیسے یہاں بیٹھ کر محترمہ کی رکھوالی کرو۔" غصے کے عالم میں مختلف چینلز سرچ کرتا رہا‘ پھر ایک ٹاک شو نے اپنی طرف توجہ مبذول کروا ہی لی۔

وقت گزرتا گیا‘ مگر شہوار کو کمرے سے نہ نکلنا تھا نہ نکلی۔ آخر قریبی مسجد سے عشاء کی اذان سنائی دی تو وہ ریموٹ سے ٹی وی آف کرتا ہوا اٹھ گیا۔

مغرب کی نماز بھی بلاوجہ قضا ہو گئی تھی۔ اب عشاء قضا کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ جماعت نکل جاتی تو گھر پر اس سے کبھی بھی نماز نہ پڑھی جاتی۔ یہی سوچ کر وہ اٹھ گیا تھا۔

وضو کر کے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ یقیناً درِ شہوار ہی تھی۔

"اچھا ہے‘ دروازہ بند کر لے گی۔" وہ مطمئن ہو کر دروازہ کھولتے ہوئے دہلیز پار کر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم اتنے غیر ذمہ دار ہو گئے بیٹا! اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔" یہ ابا تھے جو کبھی کبھار ہی اس پر خفا ہوتے تھے لیکن اس وقت بہت برہم ہو رہے تھے اور برہمی کی وجہ وہ محترمہ تھیں جو اماں کی گود میں منہ چھپائے اب بھی وقفے وقفے سے سسکیاں لے رہی تھی۔

"حیرت ہے آپ کو ابھی تک اس کی غیر ذمہ داری کا اندازہ ہی نہ تھا۔ مجھے تو یہ اندازہ بہت پہلے ہو چکا ہے۔" اماں نے کٹیلے انداز میں کہتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

وہ تابڑ توڑ اس گولہ باری کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ابھی تک اماں اور ابا نے اسے ایک لفظ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"اسی لیے میں آپ سے کہے جا رہی تھی کہ جلدی اٹھ

www.pkdigest.com

لیں۔ لیکن آپ کو تو افضل بھائی کے ساتھ تمام ملکی اور غیر ملکی معاملات پر آج ہی تبصرہ فرمانا تھا۔" اماں نے ابا کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔

"لو بھلا بتاؤ میں تو اتنی دفعہ اٹھنے کی کوشش کی، لیکن تم خود بھابھی صاحبہ کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں۔ اس عمر میں جب وہ خود ساس بن چکی ہیں اپنے سسرالی رشتے داروں کے بخیے ادھیڑ رہی تھیں اور تم مزے سے اس غیبت میں شریک رہیں، استغفر اللہ۔" ابا نے استغفار پڑھی تھی۔ اماں کچھ شرمندہ ہو گئیں۔

"ہاں تو دونوں میاں بیوی ہیں ہی اتنے باتونی۔ حالانکہ دل میرا اپنی بچی میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ پتا تھا کہ عفی اجو تو گھر پر ہوں گے نہیں اور صاحبزادے کو ماں، باپ کے کمے کا کوئی پاس نہیں۔ رات کے وقت بچی کو اکیلا چھوڑ کر جانے کہاں تشریف لے گئے تھے، ذرا خیال نہیں آیا کہ....."

"میں کہیں تشریف نہیں لے کر گیا تھا۔ صرف مسجد تک گیا تھا عشاء کی نماز پڑھنے۔" اس کے ضبط کا پیمانہ آخر جواب دے گیا تھا۔

ابا اور اماں ایک لمحے کو چپ ہو گئے۔

"جماعت ختم ہوئے بھی آدھا پونا گھنٹہ ہو چکا ہے، اتنی دیر کیوں ہو گئی آنے میں۔" ابا نے نیا نکتہ نکالا۔

"امام صاحب نے زبردستی روک لیا تھا۔ مسجد کمیٹی کا اجلاس تھا، آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی نمائندگی کرنی پڑ گئی۔" اس نے چڑ کر بتایا تھا۔

اس بار اماں اور ابا مزید کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ اعتراض وہاں سے سامنے آیا، جہاں سے توقع ہی نہ تھی۔

"آپ بتا کر بھی جا سکتے تھے کہ نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔" اماں کی گود سے سر اٹھا کر وہ اچانک مخاطب ہوئی۔

روپا روپا چہرہ اور گلابی آنکھیں، چند لمحوں کی بات تھی، مگر اس کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔

"وضو کرکے اور ٹوپی پہن کر بندہ صرف مسجد ہی جا سکتا ہے۔" اس بار لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ نے صرف منہ دھویا ہے یا وضو کیا اور ٹوپی آپ کی جیب میں ہو گی سر پر نہیں تھی۔"

وہ پہلی بار ایک دوسرے سے مخاطب تھے اور مکالمے کی نوعیت کیا تھی اماں اور ابا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکراہٹ چھپالی۔

"سچ اماں! ان کے جانے کے ساتھ ہی پہلے تو لائٹ چلی گئی۔ میں کچن میں ماچس ڈھونڈنے گئی، ادھر ادھر چیزوں میں ہاتھ مارا تو کفگیر اتنی زور سے میرے پاؤں پر آ کر گرا۔"

پھر میں باہر لینگ پر آ کر بیٹھی ہی تھی کہ سیڑھیوں پر سے دو بلیاں لڑتے لڑتے بالکل میرے قدموں کے پاس آن کر گریں۔ مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ اس کی آنکھوں میں وہ "مشکل وقت" یاد کرکے پھر سے آنسو آ گئے تھے۔

عمر نے اماں، ابا کو دیکھا اور اس بار وہ خود بھی اپنی مسکراہٹ چھپا نہ پایا تھا۔

"اتنے ڈھیر سارے سانحات جو یکے بعد دیگرے رونما ہوئے، اگرچہ ان میں میرا کوئی قصور نہیں، پھر بھی اماں اگر آپ سمجھتی ہیں کہ لائٹ جانے، کفگیر گرنے اور بلیوں کے لڑنے میں میرا کوئی ہاتھ ہے تو میری طرف سے معذرت۔" وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔

اماں نے بھی بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"اچھا چل اب زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں، ایک تو لاپروائی دکھائی، اوپر سے مان بھی نہیں رہا۔" اماں نے درِ شہوار کی تسلی کے لیے اسے ڈپٹا تھا۔

وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ اس رات نیند اڑنے کی وجہ ابا کے خراٹے نہیں تھے۔ آنسوؤں سے بھری ہوئی شکوہ کرتی آنکھیں اور چھوٹی سی گلابی ناک، اتنے دنوں سے دل کے کواڑوں پر دستک کے باوجود وہ کواڑ نہ کھل پائے تھے، مگر آج ایسے دھڑام سے کھلے کہ وہ ششدر رہ گیا۔

کروٹوں پر کروٹیں بدلتے ہوئے وہ اس کا تصور جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر ایسی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ آخر کار اسی کے تصور میں پناہ لی تو نیند خود بخود مہربان ہو گئی اور باقی رات ایسی میٹھی نیند آئی کہ ابا کے خراٹے بھی اس میں خلل نہ ڈال سکے۔

☆ ☆ ☆

"یہ کلف لگے کپڑے استری کرنا بھی ایک جھنجٹ ہے۔" عفی، عمر کی کاٹن کی قمیص پر پانی چھڑکتا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔

"اماں تم سے اتنی بار کہہ چکی ہیں کہ کلف کے کپڑے دھوبی سے استری کروالیا کرو، جتنے پیسوں کی بجلی خرچ ہوتی ہے اتنے میں دھوبی سے کپڑے پریس ہو کر آ جاتے ہیں۔"



شہوار جو پاس بیٹھی چاول چن رہی تھی عفی سے کچھ بہانہ رہ سکی۔

"بھائی نے منع کر رکھا ہے دھوبی کی دکان پر جانے سے۔ کہتے ہیں دنیا بھر کے لفنگے جمع ہوتے ہیں وہاں، خبردار جو وہاں کا رخ کیا۔"

"دھوبی کی دکان پر لفنگوں کا کیا کام۔" شہوار نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"دھوبی کی دکان کے ساتھ ہی بلیئرڈ کی دکان ہے نا آپی!" عفی نے اسے آگاہ کیا۔

"چلو تمہیں مت بھیجا کریں۔ خود دے آیا کریں اور ویسے بھی تمہارا اتنا وقت ضائع ہوتا ہے۔ پندرہ دن بعد تمہارے پیپر شروع ہو رہے ہیں۔ تمہیں پڑھائی کا وقت ہی نہیں ملتا۔ سارا وقت تو اپنے بھائی جان کی سیوا میں گزر جاتا ہے۔"

"کرنا پڑتا ہے شہوار آپی! آخر وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں، بچپن سے ہی اماں، ابا نے یہی سکھایا ہے کہ بڑے بھائی کا کہا کبھی مت ٹالنا۔" عفی نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"اماں، ابا نے سب کچھ تمہیں اور اجو کو ہی سکھایا ہے۔ تمہارے بڑے بھائی صاحب کو کچھ نہیں سکھایا، ماں، باپ تک سے تمیز سے بات نہیں کرتے۔ میں اماں کی جگہ ہوتی تو خوب کان کھینچتی۔ جو بھلا بتاؤ جو شخص ماں، باپ کا ادب ہی نہ کر سکے فائدہ اس کی تعلیم کا۔"

آج صبح ہی عمر کسی بات پر اماں سے بدتہذیبی سے پیش آیا تھا۔ شہوار کو شاید اس کا وہی رویہ یاد آ رہا تھا۔ لیکن وہ ہرگز نہ جانتی تھی کہ اپنے کمرے میں بظاہر لمبی تان کر سوئے ہوئے عمر کی سماعتیں اس گفتگو کے ایک ایک لفظ سے بخوبی فیض یاب ہو رہی ہیں۔

"نہیں شہوار آپی! بھائی دل کے بہت اچھے ہیں۔ میں اور اجو بظاہر بہت تابعدار لگتے ہیں، لیکن ہم کرتے وہی ہیں جو ہمارا دل چاہتا ہے اور بھائی اماں، ابا سے جتنی مرضی خفگی دکھائیں، لیکن اماں، ابا کی ہر بات مانتے ہیں۔ کوئی حکم نہیں ٹالتے، آپ کو پتا ہے بھائی نے ایئر فورس میں جانے کے لیے آئی ایس ایس بی کا ٹیسٹ کلیئر کر لیا تھا، لیکن اماں نے ایئر فورس جوائن کرنے کی اجازت نہ دی تو بھائی نے اپنے شوق کا گلا گھونٹ دیا، حالانکہ فائٹر پائلٹ بننا بھائی کا جنون تھا۔"

عفی آج اس کی زندگی کے چھپے ہوئے گوشوں سے پردہ ہٹا رہا تھا اور کمرے میں لیٹے عمر کو بھائی پر بے ساختہ پیار آیا۔

آج صبح اماں سے بدتمیزی کے بعد وہ سارا دن الجھا ہوا رہا۔ ایک بدتمیزی کے بعد اسے وقفے وقفے سے اپنی ساری بدتمیزیاں اور بدتہذیبیاں یاد آتی گئیں جھنجلاہٹ اور پچھتاوا بڑھتا گیا، اب عفی کی بات سنی تو پتا چلا کہ وہ ہرگز بھی اتنا نافرمان نہیں تھا، بلکہ ماضی قریب میں ٹھیک ٹھاک فرمانبردار تھا اور اس کی فرمانبرداری کی سب سے جیتی جاگتی مثال تو وہ محترمہ تھیں جو پچھلے دس منٹ سے اس کے بھائی کو اس کے خلاف ورغلانے میں مصروف تھیں۔

"عمر بھائی جیسا محبت اور خیال رکھنے والا شخص کوئی کوئی ہی ہوتا ہے شہوار آپی! ظاہر دیکھنے میں کتنے چڑچڑے اور سخت مزاج لگتے ہیں، لیکن اپنے سے وابستہ رشتوں کے لیے بہت حساس ہیں۔ میں اور اجو آج جس مقام پر ہیں وہ سراسر عمر بھائی کی ذاتی کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے۔" عفی نے تو سادگی سے جملہ بولا تھا۔ مگر جہاں کمرے میں لیٹے عمر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی، وہاں درِ شہوار بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر پائی۔

"بائی دا وے! آپ اور اجو آج کس مقام پر ہیں؟" اس نے ہنستے ہوئے عفی کو چھیڑا۔

"آپ پھر ہنس رہی ہیں شہوار آپی! آپ ہمارے آس پاس رہنے والے ہماری عمر کے لڑکوں کو دیکھیں تو آپ کو ہماری بات کا مطلب سمجھ میں آئے گا۔ ہم ماشاء اللہ سنجھے ہوئے، باشعور اور تہذیب یافتہ بچے ہیں۔ ہماری تربیت میں جتنا ہاتھ بھائی کا ہے شاید اماں، ابا کا بھی نہیں، ہمارے پڑھائی میں اچھا ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اسکول کالج کے سب ٹیچرز جانتے تھے کہ یہ دونوں معصوم سے بلونگڑے عمر احمد کے بھائی ہیں، وہ عمر جو ان کا سب سے ذہین، قابل اور باادب شاگرد تھا، سو ہر کلاس میں ہم وقت سے پہلے ہی ہم ٹیچرز کی نظر میں آ جاتے، ورنہ آپ تو جانتی ہیں کہ میرا اور اجو کا پڑھائی میں کچھ اتنا دماغ نہیں چلتا، مگر ہم چونکہ بھائی کے بھائی تھے، اس لیے ہر کوئی یہ توقع رکھتا تھا کہ ہم بھی کچھ ان جیسا ہی کارنامہ کرکے دکھائیں گے، بس ان ہی توقعات کو پورا کرنے کے لیے ہمیں جان کھپانی پڑتی ہے۔"

"خیر اب آپ کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں عفی صاحب! میں نے اماں کی الماری میں آپ کے بھائی کے



www.pkdigest.com

رزلٹ کارڈز دیکھے ہیں۔ میٹرک میں اپنے بھائی سے زیادہ نمبر تھے آپ کے۔" شہوار نے اسے مخاطب کیا۔

"جب بھائی کے میٹرک کے امتحان ہو رہے تھے ان دنوں اماں کی شدید طبیعت خراب تھی۔ نمونیا بگڑ گیا تھا۔ ہاسپٹلائز ہونا پڑا تھا۔ ابا دفتری کام سے شہر سے باہر تھے۔ بھائی بے چارے گھن چکر بن گئے تھے۔ امتحان کی تیاری' اماں کی تیمارداری' میری اور اجو کی دیکھ بھال' گھر کے ڈھیروں کام' کوئی اور ہوتا تو شان دار طریقے سے فیل ہو جاتا یہ تو بھائی تھے جو پھر بھی اتنے اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے۔ وہ بھی بغیر کسی ٹیوشن اور کوچنگ کے۔"

"یا اللہ! خیر آج عفی نے کیا کھا لیا؟" اپنی ڈھیر ساری تعریفیں اس سے ہضم نہ ہو پا رہی تھیں' وہ اٹھ بیٹھا۔

"آپ بہت خوش قسمت ہیں شہوار آپی! جو آپ کو عمر بھائی جیسے شخص کا ساتھ ملا۔ بہت لونگ اور کیئرنگ ہیں ہمارے بھائی۔" عفی نے جو اگلی بات کی وہ عمر کے گمان میں بھی نہ تھی۔ اس کی سماعتیں شہوار کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔

"تم بہت بولتے ہو عفی! میرا کتنا ٹائم ضائع کروا دیا ہے تم نے۔ اماں آنے والی ہوں گی۔ کیا کہیں گی کہ ایک ذرا سے دال چاول بھی نہیں بنے مجھ سے۔"

وہ عفی کی بات سن کر ایک لمحے کو تو خاموش ہو گئی تھی' مگر اگلے ہی لمحے اسے ٹوکتے ہوئے اٹھی اور چاولوں کی پرات لیے کچن میں چلی گئی۔ عفی چپ چاپ اسے جاتا تکتا رہا' پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

شام کا دھندلکا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ جب وہ ایک دوست سے مل کر گھر واپس آ رہا تھا' اتنے میں عفی پر نگاہ پڑی۔ وہ شاید ٹیوشن پڑھ کر گھر واپس جا رہا تھا۔ اس نے عفی کے قریب جا کر بائیک روکی۔ عفی کتابیں تھامے اپنی ہی دھن میں قدم بڑھاتا جا رہا تھا' پاس بائیک آ کر رکی تو ایک دم چونکا۔

"چلو بیٹھو۔" اس نے عفی کو مخاطب کیا۔

"آپ گھر ہی جا رہے ہیں نا بھائی!" عفی نے پوچھا۔

"نہیں تمہیں اپنے پیچھے بٹھا کر پارک گھمانے لے کر جا رہا ہوں۔" وہ عفی کے بے تکے سوال پر بھنا گیا تھا' عفی بے چارہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"ظاہر ہے گھر ہی جا رہا ہوں یار! تمہیں گھر نہیں جانا کیا' ٹیوشن پڑھ کر واپس جا رہے ہو نا! چلو بائیک پر بیٹھ جاؤ کیا پیدل مارچ کرو گے۔" اس بار قدرے دوستانہ انداز میں مخاطب کیا تھا۔

"کوئی بات نہیں بھائی! میں پیدل ہی آ جاؤں گا۔ دراصل یہ نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروانے ہیں۔ آپ کو خوامخواہ انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جائیں' میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔" عفی نے رسان سے کہا تو اس نے سر ہلا کر بائیک اسٹارٹ کر دی۔

گھر کون سا زیادہ دور رہ گیا تھا۔ عفی با آسانی پیدل بھی آ سکتا تھا۔

"ایک منٹ بھائی۔" عفی کو اچانک کچھ یاد آیا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ باہر نکالا۔

"یہ گجرے اماں نے منگوائے تھے' انہیں دے دیجیے گا' ہو سکتا ہے فوٹو اسٹیٹ کی دکان پر رش ہو تو مجھے کچھ دیر ہو جائے۔"

"اماں نے گجرے منگوائے تھے۔" اسے عفی کی بات سن کر حیرت ہوئی۔

"ہاں بھیا! آج اماں کو پڑوس میں مہندی میں جانا ہے نا! شہوا آپا کی مہندی ہے۔"

عفی حسب معمول بات کی لمبی تمہید باندھ رہا تھا' اس نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بنا اس کے ہاتھ سے لفافہ لیا اور بائیک کو کک لگا دی۔

اسے یہ تو پتا تھا کہ پڑوس میں علیم الدین صاحب کی بیٹی کی شادی ہے۔ علیم الدین صاحب کی بیوی' اماں کی پکی سہیلی تھیں۔ کئی دنوں سے ان کے گھر شادی کا دھوم دھڑکا جاری تھا اور عفی بتا رہا تھا کہ آج مہندی کا فنکشن ہے' اماں کی شمولیت یقینی تھی' لیکن اماں اس جوش و خروش سے مہندی میں شرکت کریں گی' اس کا اسے ہرگز اندازہ نہ تھا۔

جس وقت وہ گجروں کا لفافہ لے کر اماں کے کمرے میں داخل ہوا تو ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی' اماں کے اس شوق پر کچھ چھیڑ خوانی کا ارادہ تھا' لیکن کمرے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مسکراہٹ کو بریک لگ گئے۔

جانے آج وہ کیسے بھول گیا تھا کہ اماں کا کمرو اب ایک اور ہستی بھی شیئر کرتی ہے۔ وہ اماں کے جہیز کی قدیم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔ قدموں کی



آہٹ پر اس نے بھی مڑ کر دیکھا تھا اور چند لمحوں کے لیے عمر محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

اس کے لباس کا رنگ فیروزی یا سبز یا شاید فیروزی اور سبز کے درمیان کا کوئی شیڈ۔ عمر نہ اس رنگ کو کوئی نام دے سکا۔ اپنے دل کی کیفیت کو۔ خوب صورت تو وہ روزانہ سادہ سے حلیے میں بھی لگتی تھی۔ مگر آج یوں تیار ہو کر وہ صرف خوب صورت نہیں بلکہ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔

عمر کی نگاہیں خود بہ خود مرکوز ہا کر وہ کچھ پزل سی ہو گئی تھی اور اسی لمحے اماں' شہوار کو پکارتے ہوئے اندر آئیں تو جیسے کمرے میں چھایا ہوا طلسم ٹوٹ گیا۔ شہوار کے تاثرات تو پتا نہیں کیا تھے' وہ البتہ بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔

"یہ لیجیے اماں!" اس نے جلدی سے گجروں کا لفافہ اماں کی جانب بڑھایا۔ "گجرے ہیں اماں!" ان کی حیرانی دیکھ کر اس نے وضاحت کی' اماں پہلے حیران ہوئیں' مگر اگلے ہی پل خوشی کے مارے ان کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

عمر' شہوار کے لیے پہلی بار کچھ لایا تھا۔ ساتھ ہی انہیں کچھ افسوس بھی ہوا۔ کس غلط وقت پر وہ کمرے میں آئی تھیں۔

"لو مجھے تو دھیان ہی نہیں آیا کہ شہوار کے لیے گجرے بھی منگوانے ہیں۔ اچھا ہوا تم لے آئے بیٹا! تیاری تو اب مکمل ہو گی نا میری شہوار کی' آخر آج کتنے لوگ دیکھیں گے اسے۔" اماں خوشی سے سرشار لہجے میں بولیں اور ان کی بات سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ گجرے میں آپ کے لیے لایا تھا۔" اس نے فوراً سے پیشتر ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی' مگر اماں کے چہرے پر جو شرارتی سی مسکراہٹ ابھری اسے دیکھ کر پتا چل گیا کہ غلط فہمی دور ہونے کے بجائے مزید پکی ہو گئی ہے۔

"میرے بیٹے نے مجھے آج تک گجرے پہنے دیکھا جو آج ماں کے لیے گجرے خرید لایا۔" انہوں نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں نے خود نہیں خریدے' عفی نے رستے میں مجھے گجروں کا لفافہ دیا تھا کہ گھر جا کر آپ کو دے دوں۔ آپ نے منگوائے ہیں۔" اس نے پھر وضاحت دی۔ اور اسی لمحے باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی عفی' گھر آ گیا تھا۔ اس نے با آواز بلند اسے پکارا۔

"جی بھائی!" وہ فوراً کمرے میں پہنچ گیا۔

"تم نے یہ گجرے مجھے دیے تھے کہ اماں نے منگوائے ہیں؟" اس نے عفی سے تصدیق چاہی۔

"کون سے گجرے بھیا!" عفی نے بھولپن سے دریافت کیا اور اس بار لگنے والا حیرت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہ بول سکا۔

"میں تو نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروانے گیا تھا' مگر دکان بند تھی۔ آپ نے گجرے منگوائے تھے اماں؟" اس نے عمر کی طرف دیکھنے سے احتراز کرتے ہوئے ماں سے پوچھا اور عمر ہکا بکا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ مزید کوئی بات کرنا ہی فضول تھا۔ کچھ دیر تک عفی کو شریر نگاہوں سے گھورنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا۔ عفی نے سر اٹھا کر شہوار کو دیکھا' وہ بھی اسے ناراضی سے گھور رہی تھی۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں شہوار آپی! اسی طرح تیار شیار رہا کریں۔" اس کے گھورنے کا قطعی کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے عفی نے اس کی تعریف کی تھی۔

"ہاں تو اور کیا' میں بھی اس سے کہتی ہوں کہ ذرا سج سنور کر رہا کرے۔ اس کی عمر کی لڑکیوں کو تو پہننے اوڑھنے' بننے سنورنے کا اتنا شوق ہوتا ہے۔ آج بھی میں نے اسے زبردستی تیار کروایا ہے۔ اور ذرا سی تیاری سے ہی ماشاء اللہ کیسی دمک رہی ہے میری بیٹی۔ چل اب گجرے بھی پہن لے۔ عمر اتنے شوق سے لے کر آیا ہے' وہ تو مجھے دیکھ کر شرما گیا اور بات بدل دی' ورنہ میں کب پہنتی ہوں گجرے' تیرے لیے ہی لایا ہے۔" اماں نے اسے دلار سے مخاطب کیا۔

"اور نہیں تو کیا بھائی گجرے آپ کے لیے ہی لائے ہیں۔ پہن لیجیے شہوار آپی! ورنہ بھائی کا دل ٹوٹ جائے گا۔" عفی نے اسے پھر ہنس کر چھیڑا تھا۔

وہ اس بار بھی اسے محض گھور کر ہی رہ گئی۔ عفی ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابھی بھائی کی عدالت میں پیشی لگنا باقی تھی' مگر وہ ذہنی طور پر اس کے لیے بھی تیار تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح ناشتے کے وقت خلافِ معمول در شہوار دکھائی نہ دی۔ اور آفس جانے کے لیے تیار ہو کر دسترخوان پر بیٹھ گیا' مگر آج نہ تو در شہوار کچن سے نکلتی دکھائی دی' نہ صحن میں لگے پودوں کو پانی دیتے ہوئے' نہ ہی ابا کے ساتھ بیٹھ کر اخبار پڑھتے ہوئے۔



www.pkdigest.com

وہ آج ابھی تک سو رہی تھی تو یہ خاصی اچنبھے کی بات تھی کیونکہ وہ سحر خیز قسم کی لڑکی تھی۔ دل و دماغ اس کی آمد کے منتظر سے رہے مگر وہ شہوار کو کمرے سے نہ نکلنا تھا نہ نکلی۔ پھر اجو نے اماں سے پوچھا تھا۔

"اماں شہوار آپی اگر اٹھ گئی ہوں تو پوچھ لیجیے کس چیز سے ناشتہ کریں گی۔ ڈبل روٹی' پاپے' رسک یا فروٹ کیک۔ میں لا کر دے دیتا ہوں۔ پھر کالج کے لیے نکلوں گا۔"

"ابھی تو سوئی ہے بچی۔ میں نہیں جگا رہی اسے۔ تم چلے جاؤ کالج۔ آج تو تمہارے ابا گھر پر ہی ہیں ان ہی سے منگوالوں گی ڈبل روٹی وغیرہ۔" اماں نے اجو کو جواب دیا تو وہ سر ہلا کر کمرے میں مڑ گیا۔

"بخار نہ اترے تو ڈاکٹر کے لے جائیے گا۔" اخبار پڑھتے پڑھتے ابا نے سر اٹھا کر اماں کو مخاطب کیا۔

"نہیں بخار تو اب ہلکا تھا' مگر ساری رات بہت بے چین گزری ہے۔ کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی ہے' کہہ رہی تھی سارا جسم ٹوٹ رہا ہے۔"

"ہاں تو بدلتا موسم ہے نا' بخار تو اس موسم کی خاص سوغات ہے' فکر نہ کریں' اتر جائے گا۔" ابا نے اماں کو تسلی دی۔

"نظر لگی ہے میری بچی کو' ورنہ موسم کیا راتوں رات بدلا ہے۔ شام تک بھلی چنگی تھی' بس شبو کی مہندی سے واپس آئے ہیں اور اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ کل بہت پیاری لگ رہی تھی شہوار' اللہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔"

"بھائی کی لگی ہو گی۔" عفی جو سر جھکائے ناشتہ کر رہا تھا' بڑبڑائے بنا نہ رہ سکا۔ اور اس کی بڑبڑاہٹ اس کے قریب بیٹھے عمر نے بخوبی سن لی۔

بہت عرصے سے عمر نے اس کے کان نہیں کھینچے تھے۔ اس کی جراتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ عمر نے ناشتے سے ہاتھ روک کر گردن ذرا سی ترچھی کرتے ہوئے پاس بیٹھے عفی کو گھورا۔

"وہ میں تو یہ کہہ رہا ہوں اماں کہ شہوار آپی کو جگا دیں۔ ناشتہ کر کے دوا لے لیں گی۔ بغیر دوا کے کیسے آرام آئے گا۔" عفی اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا پایا تھا' جب ہی گڑبڑا کر اماں کو مخاطب کیا۔

"دوا تو دے دی تھی' تمہارے ابا فجر کے لیے اٹھے تھے تو ان سے پوچھ کر دوا کھلا دی تھی۔ اس کے بعد ہی تو بخار اترا ہے۔ اب جا کر آنکھ لگی ہے اس کی۔ تم بھی آج ذرا شور شرابا کیے بغیر دسترخوان سمیٹو اور برتن سنک میں اکٹھے کر دو۔ میں صفائی کر لوں' پھر برتن مانجھوں گی۔" اماں نے عفی کو مخاطب کیا۔

اس کا منہ بن گیا۔ در شہوار کے آنے کے بعد ان ذرا ذرا سے کاموں کی بھی عادت نہ رہی تھی' ورنہ پہلے تو اکثر اماں کی مدد کے خیال سے وہ برتن سمیٹ کر دھو بھی لیتا تھا۔ مگر در شہوار نے ان سب کی عادتیں بگاڑ دی تھیں۔

"اچھا اماں میں جا رہا ہوں۔ آج آفس میں کام زیادہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر ہو جائے۔" عمر بھی دسترخوان سے اٹھ گیا تھا۔ اماں سر ہلا کر ابا کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"میں کہہ رہی ہوں امام صاحب سے پانی پر دم کروا کر لا دیں۔ بچی کو نظر ہی لگی ہے۔ دوا کے ساتھ دم کیا ہوا پانی پلاؤں گی۔ اللہ شفا دے گا۔" اماں کا سارا دھیان آج اپنی بچی میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

اماں کی بات سن کر وہ دل میں چور سا بن گیا' جانے کیوں اس بار بھی عفی کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ در شہوار یقیناً اس کی نظر کا شکار ہوئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی میاں کل اس کو اتنا نظر بھر بھر کر دیکھنے کی۔" اس نے جی ہی جی میں خود کو ڈپٹا اور پھر آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔

✿ ✿ ✿

وہ اماں سے کہہ کر تو آیا تھا کہ آفس میں دیر ہو سکتی ہے' مگر جانے کیوں کام ادھورا چھوڑ کر وقت سے پہلے گھر پہنچ گیا اور شومئی قسمت پہلا سامنا در شہوار سے ہی ہوا۔ وہ برآمدے میں جائے نماز بچھائے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ شاید عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکی تھی' مگر جائے نماز تہہ کر کے اٹھانے کے بجائے وہیں بیٹھی نجانے کس مراقبے میں گم تھی۔

عمر کو وہ بہت اداس' دل گرفتہ اور مغموم سی دکھائی دی۔ شاید اس کی طبیعت ابھی تک نہ سنبھلی تھی۔ اس نے اس کے چہرے کی اداسی کو طبیعت کے کھاتے میں ڈالنا چاہا' مگر دل کچھ بے چین سا ہوا تھا۔ شہوار اسے آتا دیکھ کر جیسے اپنے خیالوں سے چونکی اور جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ وہ بھی چپ چاپ کمرے میں چلا گیا۔

ذرا دیر بعد اماں بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گئیں۔ وہ سر جھکائے جوتے اتار رہا تھا' قدموں کی چاپ پر سر اٹھایا اور اماں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ اچھا ہوا تو وقت سے آ گیا ہے۔ اب میں بھی سکون سے شبو کی شادی میں جا سکوں گی۔" اماں شادی میں جانے کے لیے تیار تھیں۔

"شہوار کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے دوسرے جوتے کا تسمہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

جھکا ہوا سر اور سرسری سا لہجہ' مگر پھر بھی اماں کو لگنے والا حیرت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بول سکیں۔ کوئی جواب نہ پا کر عمر نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔ وہ گڑبڑا سی گئیں' پھر ذرا سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ صبح تمہارے ابا نے جو دوائی دی تھی اس سے بخار اتر گیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تمہارے ابا نے ایک گولی اور کیپسول اور دیا تھا۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی تھی' لیکن اب لگتا ہے بخار دوبارہ چڑھ رہا ہے۔ میں نے کہا تو ہے کہ تھرمامیٹر لگا کر چیک کر لے' تمہارے ابا آئیں گے تو"

"ہاں ابا آفس سے آئے تو ان کی تجویز کردہ دوا کی تیسری خوراک بھی کھلا دیجیے گا۔ ابا نہ ہوئے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہو گئے۔ حد کرتی ہیں آپ بھی اماں!" اس نے جھنجلاتے ہوئے اماں کی بات کاٹی۔

اماں کو دوسری بار حیرت کا جھٹکا لگا۔

"آپ کو چاہیے تھا کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتیں۔" اماں کی حیران شکل دیکھ کر وہ کچھ خفیف ہوا' پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"یہاں دن کے وقت کون سا ڈاکٹر بیٹھتا ہے۔ ڈاکٹر تنویر کا کلینک کھل گیا ہو گا' اب تو وہیں لے جا شہوار کو۔" اماں نے اسے مخاطب کیا' اس بار حیرت کا جھٹکا لگنے کی باری عمر کی تھی۔

"میں لے جاؤں؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں تو اور کون ہے گھر میں۔ تمہارے ابا بھی باہر گئے ہوئے ہیں۔ عفی' اجو ٹیوشن پڑھ کر لوٹے نہیں' اللہ جانے کب واپسی ہو گی۔"

"تو آپ کے ساتھ چلی جائے گی۔ ڈاکٹر تنویر کا کلینک کتنا دور ہے۔"

"تو بھلا بتاؤ شبو کی بارات آنے والی ہے' میں تو نسرین کے ہاں جا رہی ہوں' اکلوتی بیٹی کی رخصتی ہو گی آج۔ بے چاری کا صبح سے رو رو کر برا حال ہو رہا ہے۔ میری موجودگی سے اس کی ذرا ڈھارس سی بندھ جاتی ہے اور کسی کی بات تو عقل میں سما نہیں رہی۔ دوپہر کو بھی میرے کہنے سے دو چار لقمے زہر مار کر لیے ہیں' ورنہ تو صبح سے بھوکی پیاسی۔۔۔"

"علیم الدین صاحب کی بیوی کا بہت خیال ہے آپ کو۔ آپ کی سہیلی جو ہوئی اور اپنی بہو جو بیمار پڑی ہے۔ اس کا ذرا احساس نہیں۔ ڈاکٹر تک کے پاس لے کر جانے کی فرصت نہیں۔" اس نے خفگی سے اماں کی بات کاٹی۔

اور اماں تو حیرت کے پنڈولم میں باقاعدہ جھولنے لگی تھیں۔ بات کرنے کے بعد عمر کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس نے شہوار کے لیے کچھ زیادہ ہی جذباتیت ظاہر کر دی ہے' اس لیے چپ سا ہو گیا اور اماں کی حیرت تو کم ہو گئی تھی مگر اب خوشی کے مارے کچھ نہ بولا گیا۔

عمر نے پہلی بار شہوار اور اپنے رشتے کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے لیے "اپنی بہو" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ خوشی ان کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی جبکہ عمر بات کر کے خفیف سا ہو گیا تھا۔

"خیر مجھے کیا' آپ اسے ڈاکٹر کے لے کر جائیں یا نہیں۔ میرے تو اپنے سر میں درد ہو رہا ہے' آپ مجھے ایک کپ چائے پلا دیں۔" اس نے بے زاری سے کہتے ہوئے ذرا دیر پہلے والی بات کا اثر زائل کرنا چاہا' مگر اماں بھی آخر اسی کی ماں تھیں۔

"چائے تو میں پلا دیتی ہوں' پھر نسرین کے ہاں جا رہی ہوں۔ عفی یا اجو میں سے کوئی آئے تو کہہ دینا شہوار کو ڈاکٹر کے لے جائیں۔ ویسے میرا اپنا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنا کلینک جلد بند کر دیں گے۔ محلے کی شادی ہو اور کھانے کے وقت ڈاکٹر صاحب نہ پہنچیں یہ کب ممکن ہے اور پھر علیم الدین بھائی سے تو دیرینہ رشتہ داری بھی ہے۔ چلو خیر ہے' اگر شہوار کو آج ڈاکٹر کو نہ بھی دکھایا' ایک ذرا سا بخار ہی تو ہے' کل شام تک دوا دلوا لاؤں گی۔" اماں کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں' گویا انہیں شہوار کی خرابی طبیعت سے کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ اس نے جھنجلاتے ہوئے جوتے دوبارہ پاؤں میں ڈالے۔

"اس سے کہیں چادر وغیرہ پہن لے۔ میں لے جاتا

www.pkdigest.com

ہوں ڈاکٹر کے۔" وہ اماں کے پیچھے کچن میں داخل ہوا۔
اماں نے بہت کوشش کر کے چہرے کو بے تاثر رکھا اور اثبات میں گردن ہلادی۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر تنویر محلے کے واحد ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔ اس وقت بھی کلینک پر خاصا رش تھا۔ شہوار کلینک کے زنانہ حصے میں چلی گئی تھی۔ وہ مردوں والے پورشن میں بیٹھ گیا۔ دونوں پورشنز کے درمیان پردے سے پارٹیشن کی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی میز عین وسط میں تھی۔ کبھی وہ اپنا رخ عورتوں کی طرف موڑ لیتے تو کبھی مردوں کا چیک اپ شروع کر دیتے۔ عمر کنپٹیاں دباتا ہوا بیچ کے آخری سرے پر بیٹھ گیا۔ آج سر میں واقعی بہت درد تھا۔
"کیا بات ہے بیٹے! اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو مجھ سے پہلے چیک کروالو۔" اس کے ساتھ بیٹھے ایک بابا جی نے جذبہ انسانیت کے تحت اسے اپنی باری دینا چاہی۔
"نہیں جی بس میں نے چیک اپ نہیں کروانا' اندر میری مسز گئی ہیں' ان کی طبیعت خراب ہے۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا' البتہ جواب دینے کے بعد اپنے الفاظ پر غور کیا تو حیران رہ گیا۔
"کیا تکلیف ہے بٹیا کو؟" بزرگ زیادہ ہی باتونی تھے۔
"نظر لگ گئی ہے جی۔" وہ دوبارہ اپنی ہی جھونک میں بولا' مگر بابا جی کے چہرے پر نگاہ پڑی تو خجل ہو گیا۔
"بخار ہو گیا ہے۔" اس بار سوچ سمجھ کر الفاظ کا چناؤ کیا۔ بابا جی کی حیرت ختم ہو گئی تھی۔
"میں بھی کہوں ڈاکٹر تنویر نظر بد کا علاج کب سے کرنے لگ گئے۔" ان کے پوپلے سے منہ سے پوپلی سی ہنسی برآمد ہوئی۔ عمر بھی محض مروّت میں مسکرا کر رہ گیا' اور جب تک بابا جی نے چیک اپ نہیں کروالیا وہ بلاوجہ سر پر سوار رہے۔
پتا نہیں اندر شہوار کا چیک اپ ہو چکا تھا یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کرسی تو متواتر زنانہ اور مردانہ حصے کی طرف گھومتی رہی تھی۔ اتنے میں ہی کرخت سی آواز والے کمپاؤنڈر نے مردانہ حصے میں آکر پکارا۔
"مسز عمر کے ساتھ کون ہے جی۔" وہ پکار کے جواب میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے پاس آکر حکم دیا۔ عمر نے فوراً تعمیل کی۔
کمپاؤنڈر نے خاکی لفافے میں سے گولیاں نکال کر اس کی ہتھیلی پر پھیلائیں' "یہ چھوٹی گولی ابھی دودھ کے ساتھ' بڑی گولی اور کیپسول رات سونے سے پہلے اور صبح ناشتے کے بعد' طبیعت میں افاقہ نہ ہو تو کل شام پھر چیک اپ اور یہ سیرپ ساتھ والے میڈیکل اسٹور سے خرید لیں۔ ایک چمچہ صبح' ایک دوپہر' ایک شام' سو روپے کی چیک اپ فیس' پچھتر روپے کی دوائی۔"
کمپاؤنڈر نے نسخہ اسے تھماتے ہوئے مشینی انداز میں دوائیوں کی تفصیل بتائی تھی۔ اس نے نسخہ اور دوائی جیب میں ڈالتے ہوئے والٹ باہر نکالا اور پیسے گن کر اسے تھمائے۔ اگر وہ پہلے ہی پیسے شہوار کو دے دیتا تو یقیناً "فیس کی ادائیگی وہ خود کر دیتی۔
"ایک منٹ رکیے میں ساتھ والے میڈیکل اسٹور سے سیرپ خرید لوں۔" اس نے اسے مخاطب کیا۔ وہ رک گئی تھی اور جس وقت عمر میڈیکل اسٹور سے دوا خرید نے کے بعد نسخہ جیب میں رکھ رہا تھا تو سرسری سی نگاہ نسخے پر ڈالی۔
"مسز عمر۔" نسخے کے سب سے اوپر ڈاکٹر تنویر کی ڈاکٹروں والی مخصوص ہینڈ رائٹنگ کے باوجود مسز عمر کا نام جگمگا رہا تھا۔
جو بات وہ اس وقت نوٹ نہ کر پایا تھا وہ اب پوری جزئیات کے ساتھ یاد آگئی تھی۔ اس کے کانوں میں کمپاؤنڈر کی کراری آواز گونجتی رہی اور جلترنگ سی بجتی رہی۔
"آیئے۔" اس نے پلٹ کر شہوار کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے ہولی تھی۔
وہ آفس سے گھر لوٹا تو گھر کے عین سامنے چمچماتی ہوئی نئی سفید کرولا دیکھ کر چونکا۔ کوئی ملنے والا آیا ہوا تھا' مگر کون؟ اور گھر میں داخل ہوتے کے ساتھ ہی جواب بھی مل گیا۔
"شمی آئی ہوئی ہے' شہوار کے ساتھ کمرے میں بیٹھی ہے' تو بھی ہاتھ منہ دھو کر وہیں آجا۔" اماں باورچی خانے میں خاطر تواضع کا سامان کرنے میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر باہر نکلیں اور دھیمی آواز میں آگاہ کیا۔
"اوہ تو گویا شمی آنٹی آئی ہیں۔"
وہ شہوار کے رشتے داروں میں سے چند گنے چنے لوگوں سے ہی واقف تھا اور شمی آنٹی کا شمار ان ہی گنے چنے رشتہ داروں میں ہوتا تھا۔ ویسے تو وہ اماں کی بھی دور پار کی رشتہ دار تھیں' مگر آج سے پہلے کبھی ان کے ذہن میں اماں سے



ملنے یا یہاں آنے کا خیال نہیں آیا تھا۔
عمر نے کمرے کا رخ کیا' مگر اس سے پیشتر وہ پردہ ہٹا کر اندر جاتا۔ شمی صاحبہ کی آواز نے قدم جکڑ لیے۔
"مجھے یقین نہیں آتا تم اس بابا آدم کے زمانے کے بنے مکان میں کیسے ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی ہو۔"
"مکان مکینوں سے بنتا ہے شمی آنٹی! اور یہاں کے مکین دل کے بہت اچھے ہیں۔" شہوار کی دھیمی سی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔
"تمہاری تو ہر منطق شروع سے نرالی ہے۔ بجائے اس کے تم اپنے میاں اور سسرالیوں کو سمجھاؤ۔ ان میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا کرو' تم خود آکر اس کنویں کا مینڈک بن گئی۔ ذرا سوچو تو سہی احسان بھائی جو اتنا کما رہے ہیں وہ کس کام کا' جب ان کی اپنی بیٹی اس حال میں زندگی بسر کر رہی ہے۔"
"کیا ہوا ہے میرے حال کو۔" شہوار نے اچنبھے سے پوچھا۔
"حال سے بدحال ہو رہی ہو تم۔ یہ جو کاٹن کا پرنٹڈ جوڑا تم نے زیب تن کیا ہوا ہے نا! تمہارے گھر کی نوکرانی بھی اس سے اچھی کوالٹی کا کپڑا پہنتی ہے اور تم کہہ رہی ہو کیا ہوا ہے میرے حال کو۔" انہوں نے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے طنز کیا تھا۔
"میں جس حال میں بھی ہوں بہت خوش ہوں شمی آنٹی! آپ میری فکر نہ کریں۔" وہ رسانیت سے بولی۔
"کیسے فکر نہ کروں چندا! تمہیں اس حال میں دیکھ کر میرا دل کٹ گیا ہے۔ احسان بھائی کے تین' تین شان دار بنگلے ہیں اس شہر میں اور ان کی اپنی بیٹی اس کوٹھڑی میں رہ رہی ہے۔ تم اگر چاہو تو احسان بھائی کیا کچھ نہیں کر سکتے تمہارے لیے۔ تمہیں گھر لے کر دے سکتے ہیں۔ تمہارے میاں کو کاروبار کروا کر دے سکتے ہیں۔ تمہاری زندگی میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیدا نہیں ہو پا رہیں۔"
"کیا آپ کو میرے پاس پاپا نے بھیجا ہے۔" شہوار نے ٹھنڈے لہجے میں دریافت کیا۔
"تمہارے پاپا نے کیوں بھیجا ہو گا' ان کی تو اپنی مت ماری گئی ہے' وہ کہتے ہیں میں اپنی بیٹی کی خوشی میں خوش ہوں۔ میرا خیال ہے وہ تمہاری شادی کے بعد ایک بار بھی تمہارے دولت کدے پر تشریف نہیں لائے ہیں' ورنہ اگر تمہیں اس حال میں دیکھ لیتے تو ہرگز یہ بات نہ کہتے۔"
"پلیز شمی آنٹی! آپ بار بار مجھے میری حیثیت اور اس گھر کا طعنہ مت دیں۔ آپ بھی اتنے ہی چھوٹے سے گھر میں پلی بڑھی تھیں۔ نانا کا گھر بھول گئیں کیا؟ میرا خیال ہے اس گھر کا رقبہ تو ہمارے اس گھر سے بھی کم ہی تھا۔" اس بار شہوار نے قدرے چڑ کر جتایا تھا۔ شمی آنٹی برا مان گئی تھیں۔
"بی بی ہم تو پاگل ہیں جو تمہاری محبت سے مجبور ہو کر تمہیں عقل کی بات سکھا رہے ہیں' کیا کریں تمہاری مرحومہ ماں ہماری بہن تھی۔ مانتے ہیں ہم دونوں بہنوں کو قسمت نے چھپر پھاڑ کر نوازا۔ ہمیں ہماری اوقات سے زیادہ دیا۔ کنٹینوں میں پیدا کر کے ہمیں محلوں کا مالک بنا دیا' لیکن تم تو پیدا ہی محل میں ہوئی تھیں' تم اپنے رتبے اور حیثیت کو کیوں فراموش کر رہی ہو۔ آخر تم احسان بھائی کی اکلوتی بیٹی ہو' ان کا سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ بندہ جو کماتا ہے اپنی اولاد کے لیے ہی کماتا ہے۔ جب اولاد کو اس کمائی کا کوئی فیض نہ پہنچے تو کیا فائدہ ایسی کمائی کا۔"
"پہلی بات تو یہ ہے شمی آنٹی! کہ میں اپنے سسرال والوں سے یہ سب ہرگز نہیں کہوں گی اور بالفرض محال میں نے ان سے ایسی کسی پیشکش کا ذکر بھی کیا تو وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔ انہیں اپنی عزت نفس اور انا ہر چیز سے پیاری ہے اور میں ہرگز ان کی انا کو ٹھیس نہیں لگا سکتی۔" شہوار نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔
"او خدایا! تمہیں تو سمجھانا ہی فضول ہے۔" شمی آنٹی نے بے بس ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔
"تو ابھی تک یہاں کھڑا ہے چل اندر چل۔" اسی لمحے اماں ٹرے ہاتھ میں لیے پیچھے سے آن موجود ہوئیں۔ وہ ایک دم چونکا تھا۔ پھر گہرا سانس لیتے ہوئے پلٹا۔
"اماں مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ میں ذرا گھر سے باہر جا رہا ہوں۔" اماں پیچھے سے ہائیں ہائیں کہہ کر پکارتی ہی رہ گئیں' مگر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا گھر کا دروازہ پار کر گیا۔

☆ ☆ ☆

"اس طرح کب تک چلے گا عمر؟" یہ اماں تھیں جو بہت دنوں سے اس خوش گمانی میں مبتلا تھیں کہ عمر دھیرے دھیرے اپنے اور شہوار کے مابین رشتے کو تسلیم کر رہا ہے۔



www.pkdigest.com

اب جان گئی تھیں کہ یہ خوش گمانی محض ایک غلط فہمی تھی۔

وہ پہلے کی طرح درشہوار سے بالکل بے نیاز ہوچکا تھا۔ باقی گھر والوں کے ساتھ بھی عجیب کھردرا اور بے زار کن رویہ تھا۔ آخر آج اماں نے اس سے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

"کیسے، کس طرح کیا کہہ رہی ہیں اماں؟" وہ آفس سے لائی ہوئی فائل میں سر کھپا رہا تھا' بغیر سر اٹھائے اماں سے دریافت کیا۔

"میں درشہوار کی بات کر رہی ہوں۔" اماں نے بیٹے کو خفگی سے دیکھا۔

"کیا ہوا درشہوار کو؟" اس کا لہجہ ہنوز سرسری سا تھا۔

"یوں جانتے بوجھتے انجان مت بنو عمر! میں اتنے دنوں سے خاموش تھی۔ تمہارے ابا کہتے تھے کہ عمر کو ٹائم دو۔ وہ اس رشتے کو تسلیم کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جائے تو ہی یہ بندھن نبھے گا۔ میں نے تمہارے ابا کی بات مان لی تھی۔ کبھی جو ایک لفظ تم سے کہا ہو' لیکن اس طرح یہ معاملہ کب تک لٹکایا جاسکتا ہے۔ میں اس بچی کو اپنی ذمہ داری پر اس گھر میں لائی تھی۔ احسان بھائی کو کتنا یقین دلایا تھا کہ درشہوار کو اس گھر میں پیار' محبت' عزت' مرتبہ سب کچھ ملے گا' لیکن تو نے مجھے میری ہی نگاہوں میں گرا دیا۔ مجھے احسان بھائی سے ایسا کوئی دعوا کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اماں بہت رنجیدہ تھیں۔

"خیر کرنا تو آپ کو کچھ بھی نہیں چاہیے تھا' لیکن آپ کے دل میں جو سمائی آپ کر بیٹھیں۔" وہ فائل بند کرتے ہوئے اماں سے نگاہیں ملائے بغیر تھکے تھکے اندازمیں بولا تھا۔

"میرے بچے! میں مانتی ہوں کہ تیری مرضی جانے بغیر میں نے ایک انتہائی قدم اٹھا ڈالا تھا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرا یہ فیصلہ غلط ثابت ہوتا' لیکن میرے مولا نے کتنا کرم کیا مجھ پر ایسی ہیرے جیسی لڑکی بٹھائے بٹھائے میرے آنگن میں اتار دی۔ اگر میں تیرے لیے دلہن تلاش کرنے کی کوشش میں جوتیاں بھی چٹخاتی تو درشہوار سے بہتر بہو نہیں مل سکتی تھی مجھے۔ میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ تجھے اس کی خوبیاں کیوں نظر نہیں آتیں۔"

"مجھے اس کی خوبیوں سے انکار نہیں ہے اماں! وہ ہر لحاظ سے بہترین لڑکی ہوگی' لیکن ضروری تو نہیں وہ بہترین لڑکی اس خاکے پر بھی پورا اترے جو میں نے اپنی شریک حیات کے حوالے سے تراش رکھا تھا۔" اس نے اماں کو ٹالنا چاہا۔

"کیوں ایسا کیا خاکہ تراش رکھا تھا تو نے میرے چاند! کس چیز کی کمی ہے درشہوار میں۔ خوب صورت ہے' پڑھی لکھی ہے' اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہے' مگر طبیعت میں کتنی سادگی اور انکساری ہے۔ میں تو سوچ سوچ کر حیران ہوتی ہوں کہ بن ماں کی بچی کی کیسی اچھی تربیت کی ہے احسان بھائی نے۔ ہمارے گھر میں تو درشہوار کے آنے سے اجالا ہو گیا ہے۔ مجھے بتا تو سہی اور کون سی خوبیاں دیکھنا چاہتا تھا تو اپنی بیوی میں۔"

اماں مکمل جرح کے موڈ میں تھیں اور ان کی کہی ہوئی کوئی بھی بات ایسی نہیں تھی' جس کو جھٹلایا جاسکتا ہو اور اسی لیے جب اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو جھنجلا گیا۔

"بس مجھے وہ اچھی نہیں لگتی تو نہیں لگتی۔ یہ دل کا معاملہ ہے۔ دل پر کسی کی زور زبردستی چلتی ہے کیا؟" وہ چڑ کر بولا تھا۔

اماں ایک لمحے کو بالکل چپ ہو گئی تھیں۔

"افسوس تو اسی بات کا ہے عمر! کہ تو نے اسے دل کی آنکھ سے دیکھا ہی نہیں۔" اماں دل گرفتگی سے کہتی اٹھ گئی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح اسے بولنے کے بعد اپنی بدتمیزی کا احساس ہوا تھا۔ وہ بے بسی کے عالم میں اماں کو کمرے سے باہر جاتا دیکھتا رہا اور اسی لمحے اسے دروازے کے پاس سبز آنچل کی جھلک دکھائی دی۔

کہیں کچھ بہت غلط ہو گیا تھا۔ اس کے دل کو عجیب سے احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر فائل پٹختے ہوئے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

☆ ☆ ☆

اماں اس سے سخت خفا تھیں۔ صرف ضرورت کے تحت ہی بات کرتیں۔ ابا بھی آج کل زیادہ وقت کتابیں پڑھنے میں گزارتے۔ عفی' اجو کے پیپرز تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی پڑھائیوں میں مگن رہتے۔

کبھی اسے یوں لگتا کہ سب نے مل کر اس کا سوشل بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ وہ خود جس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کوئی اس کا اندازہ ہی نہ لگا سکتا تھا۔ وہ کس کو اپنے دل کا حال سناتا' کس کے سامنے اقرار کرتا کہ ہاں مجھے درشہوار نام کی لڑکی اچھی لگنے لگی ہے۔ اتنی اچھی کہ کبھی کبھار مجھے اس پر محبت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

میں اپنی زندگی اس کے سنگ گزارنا چاہتا ہوں' لیکن مجھے ڈر لگتا ہے' مجھے ڈر لگتا ہے کہ زندگی کے کسی مرحلے پر میرا ساتھ درشہوار کے لیے پچھتاوا نہ بن جائے۔ ابھی تو اس نے ایک شمی آنٹی کی باتیں ہی سنی تھیں جو درشہوار کی حالت پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے اسے اس کا سابقہ طرز زندگی یاد دلا رہی تھیں۔ جب اسے زندگی کے ہر قدم پر ایسی باتیں سننے کو ملیں گی تو کیا وہ اس گھر میں مطمئن اور خوش رہ پائے گی۔

اس گھر میں تھا بھی کیا سوائے محبتوں کے جو اماں' ابا' عفی اور اجو اس پر بے تحاشا نچھاور کر رہے تھے۔ ان محبتوں میں وہ اپنا حصہ ڈال کر ان کے حجم میں تو اضافہ کر سکتا تھا' لیکن یہ خالی خولی محبتیں اس طرز زندگی کا متبادل نہیں ہو سکتی تھیں جس کی درشہوار عادی تھی۔

ابھی تو اس نے شمی آنٹی کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی تھی اور انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ اس گھر میں بہت مطمئن اور خوش ہے' لیکن عمر کو خدشہ تھا کہ وقتی آسودگی کا یہ خمار بہت جلد اتر جائے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ جب زندگی کے تلخ حقائق سامنے آئیں گے کہیں وہ اپنی کم عقلی پر پچھتاتے ہوئے واپس نہ پلٹنا چاہے اور اگر باقی گھر والوں کی طرح وہ بھی اس کے وجود کا عادی ہو گیا تو اس کے بنا زندگی کیسے گزار پائے گا۔

یا اگر کبھی درشہوار نے اسے مجبور کیا کہ وہ بہتر زندگی کے حصول کے لیے اس کے باپ کی مدد قبول کرے تو کیا اس کی انا درشہوار کا یہ مطالبہ ماننے پر راضی ہو جائے گی۔

آج کل روز و شب اسی سود و زیاں کا حساب کرتے گزر رہے تھے' کبھی دل کرتا کہ ہر خدشے کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے درشہوار کے سنگ زندگی کے نئے سفر کا آغاز کر دے' لیکن دماغ سمجھاتا تھا کہ کہیں دل کی بات ماننا خسارے کا سودا نہ بن جائے۔

دل و دماغ کی یہی کشمکش جاری و ساری تھی اور ذہنی تناؤ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج کل وہ جان بوجھ کر آفس سے دیر سے اٹھتا اور پھر گھر جانے کے بجائے کسی دوست کی طرف جا نکلتا۔ یہ ایک خود ساختہ راہِ فرار تھی اور گھر والوں نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا تھا۔

اماں جو پہلے آفس سے واپسی پر ذرا سی بھی دیر ہونے پر کئی فون کر ڈالتیں اب جیسے انہیں اس کے دیر سے گھر لوٹنے سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ وہ اماں کی طرف سے کسی بازپرس یا ڈانٹ ڈپٹ کر منتظر ہی رہتا' مگر اماں نے تو مخاطب کرنا بھی بہت کم کر دیا تھا۔

اس روز بھی وہ رات گئے گھر لوٹا تھا۔ اجو نے دروازہ کھولا۔ سلام کر کے وہ پلٹ گیا تھا۔ عمر نے بائیک اس کی جگہ پر کھڑی کی' پھر صحن میں لگے واش بیسن پر کھڑے ہو کر پانی کے کئی چھپکے منہ پر مارے۔

"اماں اور ابا' شہوار آپی کے ساتھ احسان انکل کے ہاں گئے ہیں۔" وہ اسٹینڈ سے تولیہ اتار رہا تھا کہ اجو نے سنجیدگی سے آگاہ کیا۔

"خیریت؟" اس کا دل یکدم اضطراب میں مبتلا ہوا۔

"شاید احسان انکل کی طبیعت خراب ہے۔" اجو مختصر جواب دے کر کمرے میں گھس گیا۔

"کیا ہوا احسان انکل کو؟" وہ تیزی سے اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

"معلوم نہیں' دو گھنٹے پہلے فون آیا تھا۔ فون سنتے ہی شہوار آپی رونے لگیں۔ مجھے تو اماں نے فوراً" ہی رکشہ لانے بھیج دیا۔ رکشہ آیا تو اماں' ابا اور شہوار آپی اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔" اجو کو جتنی صورت حال معلوم تھی' سنجیدگی سے بھائی کے گوش گزار کر دی۔

"ابا موبائل ساتھ لے کر گئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ابا موبائل ساتھ لے کر جاتے ہی کب ہیں۔ چشمہ لگائے بغیر تو انہیں پیش کا بٹن تک نہیں نظر آتا۔ وہ تو ہوا بھی گھر بھول گئے تھے۔ رکشے میں بیٹھ گئے تو یاد آیا کہ ہوا گھر پر ہے پھر مجھے آواز دی تو میں دوڑا دوڑا ہوا دے کر آیا۔" اجو نے جواب دیا۔

"ابا موبائل بھول کر گئے تھے۔ میرا موبائل تو میرے پاس تھا نا! تم ایک فون کر کے مجھے اطلاع نہیں دے سکتے تھے کیا؟" وہ اجو پر چڑھ دوڑا۔

"آپ کو فون کیوں کرتا" اجو نے اس کی خفگی کا ذرا سا بھی نوٹس لیے بغیر سنجیدگی اور حیرت سے دریافت کیا۔ عمر چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

www.pkdigest.com

"آپ کو کھانا گرم کردوں۔ مجھے نیند آرہی ہے پھر میں سوؤں گا۔ عفی تو کب کا سو بھی چکا' آج اس کا آخری پیپر تھا نا با۔" اجو نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھولو' میں بائیک نکال رہا ہوں۔" اس نے اجو کی بات گویا سنی ہی نہ تھی۔

اجو بھی بنا مزید کوئی سوال کیے دروازہ کھولنے چل پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

جس وقت وہ احسان صاحب کے ہاں پہنچا تو دل و دماغ پر عجیب سی ندامت طاری تھی۔ نکاح کے بعد وہ صرف ایک بار ان کے گھر گیا تھا۔ حالانکہ اماں نے بعد میں اسے کتنی ہی بار کہا تھا کہ وہ شہوار کو باپ سے ملوانے لے جائے مگر وہ ہر بار کنی کترا جاتا۔ مجبوراً" اماں کبھی شہوار کو خود احسان صاحب کے یہاں لے جاتیں۔

کبھی ابا' شہوار کو چھوڑ آتے تو ایک دو دن بعد عفی یا اجو اسے واپس لے آتے۔ اماں کے بقول تو اس نے سسرال نہ جانے کی قسم کھائی ہوئی تھی اور آج جب وہ ندامت کے احساس میں گھرا ہوا وہاں پہنچا تو اماں' ابا اور شہوار تینوں ہی احسان صاحب کے کمرے میں تھے۔ ملازمہ اسے بھی وہاں لے گئی تھی۔

احسان صاحب بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھے۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہی انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹے رہیے انکل!" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے انہیں اٹھنے سے روکا۔

"بہت لمبی عمر ہے تمہاری' ابھی ہم تمہیں ہی یاد کررہے تھے بیٹا!" ان کے چہرے پر چمک آگئی تھی۔

"یوں کہیے نا کہ شیطان کا ذکر کیا اور شیطان حاضر۔" ابا اس کی غیر متوقع آمد پر اتنے خوش ہوئے کہ اپنی اولاد کو شیطان بنا ڈالا۔

اماں ہنوز خفا تھیں۔ انہوں نے اب بھی اسے مخاطب نہ کیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" اس نے دھیمے لہجے میں مزاج پرسی کی۔

"بہتر ہے بیٹا! بس یہ دل کبھی کبھار شرارت کے موڈ میں آجاتا ہے۔ ہلکا سا درد اٹھا تھا۔ ملازموں نے گھبرا کر شہوار بیٹی کو بھی فون کردیا۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ بس ہسپتال کا چکر لگایا اور واپس آگئے۔" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا لیکن ان کے چہرے پر چھائی زردی ان کی بات کی نفی کررہی تھی۔

پاس بیٹھی شہوار کی متورم آنکھیں بھی شکوہ کناں انداز میں باپ کی جانب اٹھی تھیں' جو طبیعت خرابی کو معمولی کہہ رہے تھے۔

"اور تم سناؤ کیا حال چال ہے۔ بہت دنوں سے تم سے ملنے کو جی کررہا تھا۔" احسان صاحب نے تو مسکراتے ہوئے سادہ سے لہجے میں اسے مخاطب کیا لیکن وہ شرمندہ ہوگیا۔

"بس انکل! وہ مصروفیت رہی اتنی رہی کہ۔۔۔" اس نے ادھوری سی وضاحت کی کہ آگے کا فقرہ سوجھا ہی نہیں۔

"ہاں شہوار نے بتایا تھا کہ تمہاری آفس ٹائمنگ ہی کچھ ایسی ہے۔ رات گئے واپسی ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے سارے دن کا تھکا ہارا بندہ پھر کہیں جانے کی ہمت ہی کہاں رہتی ہے۔" انہوں نے اس کی ادھوری وضاحت کو پوری خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر شرمندہ کردیا۔

اور اماں جو بلاشبہ اس سے بہت خفا تھیں لیکن اس کے چہرے پر چھائی شرمندگی بھی ان سے برداشت نہ ہوپائی' جب ہی انہوں نے کوئی بات چھیڑ کر موضوع بدلا تھا پھر کچھ دیر بعد احسان انکل نے اپنے پاس بیٹھی شہوار کو مخاطب کیا۔

"شہوار بیٹا! جاؤ دیکھو بوا جی نے کھانا لگالیا ہے یا ابھی کچھ دیر ہے۔" انہوں نے کہا تو شہوار خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد کمرے میں کچھ دیر تک بے نام سی خاموشی چھائی رہی' آخر احسان انکل نے ہی خاموشی توڑی تھی۔

"میں نے اپنی بچی آپ کو سونپی صالحہ آپا! میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' کسی بھی وقت مہلت ختم ہوسکتی ہے۔"

"کیسی باتیں کررہے ہو احسان! اللہ تمہارا سایہ تمہاری بچی کے سر پر سلامت رکھے۔ ابھی تو تمہیں اس کی زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھنا ہیں۔" اماں نے تڑپ کر ان کی



بات کاٹی تھی' وہ محض مسکرا کر رہ گئے۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے زندگی میں ایسی کون سی نیکی کی تھی جس کے انعام میں مجھے میری شہوار کے لیے آپ لوگوں کا گھرانہ مل گیا۔ آپ میرے سکون اور اطمینان کا اندازہ نہیں لگا سکتیں' اگر مجھے کچھ ہو بھی جاتا ہے تو یہ اطمینان میرے ساتھ جائے گا کہ میری بیٹی بہت محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ ایسے لوگ جو میری طرح ہی میری بیٹی کے لیے اپنے دل میں چاہت رکھتے ہیں۔" احسان صاحب نے ذرا سے توقف کے بعد آہستگی سے اماں کو مخاطب کیا تھا۔

وہ اگرچہ بیمار اور تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے لیکن ان کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔

"خدانخواستہ تمہیں کیوں کچھ ہونے لگا۔ فضول کے وہم مت پالو' خوامخواہ میں ایسی بیماروں والی شکل بنا رکھی ہے۔ دیکھا نہیں بچی تمہیں دیکھ دیکھ کر کتنا پریشان ہورہی ہے۔" اماں نے خفگی سے انہیں مخاطب کیا۔

"ڈیر شہوار واقعی بہت حساس بچی ہے' اگر آپ نے ایسی باتیں اس کے سامنے کیں تو بلاوجہ پریشان ہوجائے گی۔" ابا نے بھی انہیں سمجھایا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کھانا لگ گیا ہے اماں! آئیں کھانا کھالیں۔" اتنے میں ہی شہوار کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"مجھے تو بھوک نہیں ہے بیٹا! میں تو یہاں اپنے بھائی کے پاس ہی بیٹھی ہوں۔ تمہارے ابا اور عمر کھالیں گے پھر ہم چلیں گے۔ رات بہت ہوگئی ہے' بچے گھر پر اکیلے ہوں گے۔" اماں نے کہا تو شہوار نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر ابا کو مخاطب کیا۔

"آیئے ابا!" گویا عمر کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

"او عمر!" شکر ہے ابا نے اٹھتے اٹھتے اسے پکار لیا ورنہ سب کے سامنے کتنی خفت میں مبتلا ہوجاتا اور بھوک کا قطعاً" کوئی احساس نہ ہوتے ہوئے بھی وہ ابا کے پیچھے اٹھ کر چل پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اب تو احسان انکل کی طبیعت ٹھیک ہے اماں! شہوار آپی کب آئیں گی؟" اسے گئے پورا ہفتہ ہوچکا تھا جب اجو نے اماں کو مخاطب کرکے گویا اس کے دل کی بات پوچھ ڈالی۔

"معلوم نہیں۔" اماں نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیوں اماں! کیا شہوار آپی روٹھ کر میکے بیٹھ گئی ہیں۔" اجو کو خدشہ ستایا تھا۔

"اگر وہ روٹھی ہوئی ہے تو یہ حق ہے اس کا۔ میں اسے یہاں آنے پر ہرگز مجبور نہیں کروں گی اور پھر کس حیثیت سے آئے گی وہ یہاں۔ اس گھر سے اس کا جو رشتہ ہے وہ یہاں تسلیم نہیں کیا جاتا' یہ اس بچی کی اعلا ظرفی ہے کہ ابھی اس نے اپنے باپ کے سامنے ہم سب کا بھرم رکھا ہوا ہے لیکن وہ کب تک یہ یک طرفہ بندھن نبھا پائے گی۔ اچھا ہے جو وہ باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ اپنی زندگی کے متعلق ہر قسم کا فیصلہ کرنے میں اسے بھی آزادی ہے۔" اماں نے جواب اجو کو دیا تھا مگر ان کا اصل مخاطب کون تھا' اس سے سب ہی آگاہ تھے۔ وہ پلیٹ کھسکا کر اٹھ گیا' بھوک یکدم مر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ کتنی دیر سے چت لیٹا چھت کو تکے جارہا تھا' حالانکہ ابا آج کل اپنے کمرے میں ہی سوتے تھے اور عفی' اجو اس کے ساتھ۔ ابا کے خراٹوں سے نجات ملی ہوئی تھی پھر بھی ساری ساری رات روٹھی رہتی۔

"بھائی! آپ کہیں تو آپ کے لیے صحن میں پلنگ بچھا دوں۔" کافی دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد عفی سے رہا نہ گیا تو اسے مخاطب کر بیٹھا۔ اس نے عفی کے سوال پر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"چھت تکنے کے بجائے آسمان کے تارے گن لیجیے گا' ہوسکتا ہے تین چار سو تارے گننے کے بعد نیند آجائے۔" عفی نے بھرپور سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔

"بکواس مت کرو۔" اس نے عفی کو جھڑک دیا۔

"آج آپ کو میری تھوڑی سی بکواس سننی پڑے گی بھائی!" عفی سنجیدگی سے کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے عفی کے انداز پر حیرت سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ شہوار آپی اور اپنے مابین تعلق سے خوش نہیں ہیں تو اماں سے صاف صاف بات کریں' اس معاملے کو طول دے کر کھینچنے سے کیا حاصل ہوگا۔ آپ کی گومگو والی پالیسی سے کتنی زندگیاں متاثر ہورہی ہیں' کبھی سوچا آپ نے۔"



www.pkdigest.com

عفی اس سے اس موضوع پر بات کرے گا' یہ اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔

"یہ تمہارے کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔" اس نے حیرانی پر قابو پاتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں بھائی! کہ یہ ہمارے کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔ ہم تو چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ شہوار آپی سدا ہمارے ساتھ رہیں لیکن فقط ہمارے چاہنے سے کیا ہوگا' اگر آپ ایسا نہیں چاہتے۔"

"اور کیا میرے چاہنے سے وہ اس گھر میں ہمیشہ بخوشی رہنا قبول کرلے گی؟" اس نے طنزیہ انداز میں عفی کی بات کاٹی۔ عفی ایک لمحے کو چپ ہوگیا۔

"آپ کو شہوار آپی سے متعلق کیا خدشہ ہے' ہم سب کو اس کا اندازہ ہے بھائی! آپ کتنا غلط گمان رکھتے ہیں ان کے متعلق۔ شہوار آپی جیسی شفاف شخصیت کی مالک ہیں' ایسے لوگوں کو جاننے' سمجھنے کے لیے پوری عمر نہیں' بلکہ بہت تھوڑا سا عرصہ درکار ہوتا ہے اور حیرت ہے آپ انہیں ابھی تک سمجھ نہ پائے۔" عفی نے تاسف سے کہا۔

اس کی بے تکلف گفتگو عمر کو حیران کیے دے رہی تھی مگر وہ اسے مزید اظہارِ خیال سے منع نہ کرپایا۔

"ہم آپ کو ہمیشہ سے آئیڈیلائز کرتے تھے بھائی! لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ ہم غلطی پر تھے۔ آپ میں لوگوں کو پرکھنے کی صلاحیت ہے نہ کسی قسم کی قوتِ فیصلہ اور تو اور آپ اتنے کم ہمت ہیں کہ اپنے دل میں جھانکتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں دل کی بات ماننی نہ پڑ جائے۔" عفی بہت سنجیدگی سے اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ رہا تھا اور وہ اپنی سے پانچ برس چھوٹے بھائی کو حیرت سے تک رہا تھا۔

"قدرت ہمیشہ آپ پر بہت مہربان رہی بھائی! آپ کو اتنی اچھی شکل و صورت سے نوازا' جاذبِ نظر شخصیت بخشی' ذہانت عطا کی' پھر پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے اماں' ابا کا سب سے زیادہ پیار آپ کے حصے میں آیا۔ میرے اور اجو جیسے فرمانبردار بھائی عطا کیے اور جب شریکِ سفر چننے کا موقع آیا تو یہاں بھی قدرت نے آپ کو کسی زحمت سے بچا لیا' بنا کسی تردد کے شہوار آپی جیسی لڑکی آپ کی زندگی میں شامل کردی۔ ایک حسین اور پُرسکون زندگی آپ کی منتظر تھی بھائی! لیکن آپ مسلسل کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے اب بھی اپنے دل کی پکار نظرانداز کی تو یاد رکھیے مستقبل میں آپ کا حال اس پرانی پاکستانی اردو فیچر فلم کے ہیرو والا ہوگا جس کے پاس آخر میں ہیروئن کے بجائے ڈھیر سارے پچھتاوے بچے تھے۔" عفی نے گویا ہولناک پیش گوئی کی تھی۔

"آپ شہوار آپی کو لے آئیں گے نا بھائی!" اس کی خاموشی کے باوجود عفی نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

"تمہاری تقریر ختم ہوگئی تو سو جاؤ چپ کر کے۔" اس نے عفی کو جھڑک دیا۔

عفی شدید دکھ کے عالم میں بھائی کو تکتا رہا پھر ایک لفظ بھی مزید کہے بنا کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ عمر نے مسکرا کر اس کی پشت کو دیکھا اور خود بھی آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

اور وہ کب تک اپنے دل کی پکار نظرانداز کرتا جو بات اس کے پانچ برس چھوٹے بھائی کی سمجھ میں آگئی تھی' حیرت ہے وہ اس کی کھوپڑی میں کیوں نہ سمائی۔ محض چند بے بنیاد خدشے اور واہمے تھے جن کو بنیاد بنا کر اس نے نہ صرف اپنی بلکہ گھر بھر کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی۔

اماں' ابا' عفی' اجو اور ہاں اس سے وابستہ رشتوں میں دُرِ شہوار کا نام بھی تو شامل تھا۔ وہ کامنی سی لڑکی جو اس کی محبت اور توجہ کی سب سے زیادہ حق دار تھی' وہ اس کی ذات سے منسلک ہو کر اس گھر میں آئی تھی اور اس نے سب رشتوں کو کتنے خلوص سے اپنا لیا تھا مگر وہ جو اس کی ذات کا حوالہ اور سر کا سائبان تھا' اسے تسلیم کرنے سے ہی منکر رہا۔ کتنی زیادتی کر بیٹھا تھا وہ اس کے ساتھ۔

اب اپنی غلطی کی تلافیوں کا وقت آگیا تھا۔ وہ وقت جو زندگی کا سب سے خوبصورت وقت ہو سکتا تھا' وہ تو پلٹ کر نہیں آسکتا تھا لیکن کچھ مہلت تو ابھی بھی باقی تھی' وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس کا حال اس فیچر فلم کے ہیرو جیسا ہو' جس کے پاس بڑھاپے میں پچھتاووں کے سوا کچھ نہ بچے۔

وہ اپنی زندگی اپنی ہیروئن کے سنگ ہی گزارنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس سے بڑا مرحلہ اس ہیروئن کو منانا' اپنی محبت کا یقین دلانا اور واپس اس گھر میں لانا تھا۔ یہ سب کرنا تھا اور جلد ہی کرنا تھا کہ اب وقت ضائع کرنے کی کوئی گنجائش نہ بچی تھی۔

"اماں! ہو سکتا ہے آج مجھے آفس سے واپسی پر کچھ دیر



ہوجائے۔" صبح ناشتے کی میز پر اس نے اماں کو آگاہ کیا۔

"کوئی نئی بات ہے تو بتاؤ۔" اماں بے رخی سے کہتی ہوئی اٹھ گئیں۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

اماں کی ناراضی کے یہ چند گھنٹے ہی بچے تھے' جس وقت وہ دُرِ شہوار کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا' اماں کی ساری ناراضی بھاپ بن کر اڑ جاتی۔

شام کو جب وہ احسان صاحب کے ہاں پہنچا تو دل عجیب ہی لے پر دھڑک رہا تھا۔ اسے دُرِ شہوار کی ناراضی کا خدشہ تو تھا مگر یہ بھی یقین تھا کہ جب وہ احسان صاحب کے سامنے اس سے واپس چلنے کا کہے گا تو وہ باپ کا لحاظ کرتے ہوئے انکار نہ کرپائے گی۔ روٹھنے منانے کے باقی مرحلے تو گھر میں ہی طے ہونا تھے۔

احسان صاحب اپنے وسیع و عریض لان میں تنہا بیٹھے اخبار پڑھتے ہوئے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ اسے دیکھ کر شناسائی سے مسکرائے پھر ملازم کو اس کے لیے بھی چائے لانے کا کہا۔ کتنی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں' وہ چاہنے کے باوجود دُرِ شہوار کے متعلق نہ پوچھ سکا۔ آخر جب سیاست' اسپورٹس' موسم اور ملکی و غیر ملکی حالات پر ساری ہی باتیں ہو چکیں تو مسز' داماد کے بیچ خاموشی کا طویل وقفہ در آیا تھا۔ آخر احسان صاحب نے ہی خاموشی توڑی۔

"دُرِ شہوار میری کل کائنات ہے' مجھے بہت عزیز ہے میری بیٹی اور اسی حوالے سے اب تم بھی بہت عزیز ہو گئے ہو۔" انہوں نے اس بار بات شروع کی تو لہجہ بالکل دھیما اور کھویا کھویا سا تھا۔

"میں ہمیشہ دُرِ شہوار کے لیے بہت فکرمند رہا۔ اس میں ایسی ایک بھی خصوصیت نہ تھی جو ہمارے طبقے میں لڑکیوں کے لیے لازمی تصور کی جاتی تھی۔ جب وہ پہلی بار حجاب لے کر اسکول گئی تو اس کے اسکول کی پرنسپل جو میرے بہت اچھے دوست کی بیگم تھیں' انہوں نے مجھے فون کر کے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا تھا۔ وہ کہتی تھیں شہوار کا مزاج باقی بچیوں سے بہت مختلف ہے' وہ آگے جا کر کیسے ہماری سوسائٹی میں موو کرپائے گی۔ اس کے مشاغل' دلچسپیاں سب کچھ ہماری کلاس کی بچیوں سے مختلف تھا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بول رہے تھے' عمر چپ چاپ انہیں سنے گیا۔

"دُرِ شہوار کی ماں سے میری پسند کی شادی تھی۔ وہ سفید

دُنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

جون 2010 کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

Emale: id@khawateendigest.com

☆ "فتح کا دیوتا" اس تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں جنگوں کا احوال ملے گا، وہیں محبت کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔

اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق،

☆ "سحرزادی" بعض اوقات انسان کی زندگی ایسے ایسے موڑ اختیار کرتی ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک حوصلہ مند نوجوان کی داستان۔ سبحان راشد کے قلم سے،

☆ "کارواں" وہ خاندانی وقار رکھتا تھا، وہ ناتجربے کار تھا، مگر معاشرے نے اُسے بہت کچھ سکھا دیا، زندگی کی پیچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں سی داستان،

ایم اے راحت کے قلم سے،

☆ "شہ مات" آخری صفحات پر ایم اے راحت کی معاشرتی تحریر،

☆ ملکی و غیر ملکی ادب سے انتخاب،

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"،

اس کے علاوہ بہت کچھ اور بھی

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

پوش گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ میرے ایک دوست کی کزن تھی وہ' اسی کے گھر میں نے پہلی بار اسے دیکھا' پسند کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ہماری شادی ہو گئی۔" انہوں نے ماضی میں مزید اندر جھانکا تھا۔ عمر مؤدب بنا بیٹھا رہا۔

"درِشہوار صرف تین برس کی تھی جب اس کی ماں کا انتقال ہوا' اسے ہمیشہ سے ہی بیٹوں کی زیادہ خواہش تھی۔ وہ درِشہوار کا بھائی لینے اسپتال گئی تھی اور پھر مردہ بچے کو جنم دے کر خود بھی اس کے پیچھے راہی عدم سدھار گئی۔" مرحومہ بیوی کو یاد کر کے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ عمر کو سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے عرصے بعد اپنی ساس کی تعزیت کن الفاظ میں کرے۔

"میں ان دنوں ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا' ذہنی صدمے نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا تھا۔ درِشہوار کے نانا' نانی نے میری حالت دیکھی تو وہ درِشہوار کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ چند برس جو درِشہوار نے اپنے نانا' نانی کی سرپرستی میں گزرے' انہوں نے اس کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا' بلکہ شاید وہ اوصاف جو وہ اپنی بیٹیوں میں پیدا کرنے میں ناکام رہے تھے' وہ میری درِشہوار میں اجاگر کر ڈالے۔ بہت نیک ہستیاں تھیں دونوں' اللہ ان کی مغفرت کرے۔" احسان صاحب نے اپنے ساس سسر کے بارے میں توصیفی کلمات ادا کیے۔

"جب اس کی نانی کا انتقال ہوا تو میں درِشہوار کو واپس اپنے پاس لے آیا۔ اس وقت میں دوسری شادی کر چکا تھا۔" احسان صاحب نے اپنی زندگی کا وہ گوشہ بے نقاب کیا' جس سے بہت کم لوگ واقف تھے۔

عمر نے حیرت سے انہیں دیکھا' جی میں تو آئی کہ پوچھے کہاں گئی مرحوم بیوہ سے وہ محبت' جس کا دعوا چند لمحے پہلے کر رہے تھے' مگر ادب کا تقاضا تھا کہ فرماں برداری سے سسر کی بات سنتا رہے' سو چپ چاپ سنے گیا۔

"وہ وقت شاید درِشہوار کی زندگی کا مشکل ترین وقت تھا۔ میرا کاروبار ان دنوں تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ میری ساری توجہ اپنے کاروبار کی جانب تھی۔ بینش' درِشہوار کو جتنا نقصان دے سکتی تھی اس نے دیا' مگر میری بچی بہت صابر ہے' مجھے کچھ بتائے بغیر چپ چاپ اس کے رویے سہتی رہی۔" وہ دل گیر لہجے میں بولے۔

"بینش میرے ساتھ چند سال ہی گزار پائی' امریکہ سے اس کا کزن آیا تو وہ مجھ سے خلع لے کر اس کے سنگ سدھار لی۔ میرے لیے زندگی کا یہی تلخ تجربہ کافی تھا' میں نے باقی زندگی شہوار کے لیے وقف کر دی۔"

"آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا۔" وہ دل ہی دل میں بولا تھا احسان صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی مشکل شہوار کے لیے اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق گھرانہ اور بر تلاش کرنا بن گئی تھی اور میں اس کوشش میں ناکام ثابت ہوتا' اگر قدرت کو مجھ پر رحم نہ آ جاتا۔ میں تو سوچ کر ہی کانپ اٹھتا ہوں کہ اگر عاطف سے شہوار کی شادی ہو جاتی تو میری شہوار کی باقی زندگی کس آزمائش میں گزرتی۔ اسے زندگی میں ہمیشہ ادھوری محبتیں ملی ہیں۔ ادھورے رشتے' ادھوری چاہتیں' جانے میری بچی کیا نصیب لے کر پیدا ہوئی ہے۔" ان کے لہجے میں جیسے برسوں کی دکھن سمٹ آئی تھی۔ عمر نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا

"تمہارا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے بیٹا' تم نے اپنی ماں کی بات مان کر جس مشکل وقت میں میری شہوار کو اپنایا' میں چاہوں بھی تو تمہارا احسان نہیں اتار سکتا۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

عمر بری طرح شرمندہ ہوا تھا۔

"آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں انکل! میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔"

"تم بہت عظیم ماں' باپ کی اولاد ہو۔ تمہاری روشن پیشانی سے ہی تمہاری نیک بختی کا اظہار ہوتا ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتا' جس نے میری شہوار کے لیے تمہارا انتخاب کیا۔" انہوں نے اسے پھر شرمندہ کیا۔

"شہوار مجھے بہت عزیز ہے عمر! اس کی آنکھوں میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے' کوشش کرنا اسے کوئی دکھ نہ پہنچے۔ اسے اس کی خوبیوں' خامیوں سمیت اپنا لو۔" ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

بے شک شہوار نے ان سے ایک لفظ بھی نہ کہا ہو' پھر بھی وہ صورت حال کا ادراک رکھتے تھے۔ عمر کا جی چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ زندگی میں کبھی اس قدر شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا۔ ندامت کے مارے اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔

وہ اس کی باپ کی جگہ تھے' مگر کتنی بے بسی سے مخاطب تھے اس سے۔

"پلیز انکل! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں' شہوار میں کوئی کمی' کوئی خامی نہیں' سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کے قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ میری پہلے دن سے یہ کوشش' یہ خواہش رہی کہ کسی طرح اپنی زندگی درِشہوار کا نصیب بن جائے' جس میں اسے ہر خوشی حاصل ہو' لیکن میں یہ ذرا سی بات نہ سمجھ پایا کہ وہ میرے نصیب کا حصہ ہی ہے اور اس کے نصیب کی تمام خوشیاں مجھے ہی لوٹانی ہیں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے انکل کہ میں زندگی کے کسی مرحلے پر درِشہوار کو تنہا نہ ہونے دوں گا۔ اسے پورے رشتے' پوری محبتیں' پوری چاہتیں حاصل ہوں گی۔ وہ میری بیوی ہے۔ میری ذمہ داری اور سب سے بڑھ کر میری محبت۔"

وہ دنیا کا واحد داماد تھا' جس نے اپنی محبت کا سب سے پہلا اقرار اپنے سسر کے سامنے کیا تھا۔ احسان صاحب کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔ وہ محبت سے اسے تک رہے تھے۔

"میں آج درِشہوار کو لینے ہی آیا تھا انکل! اس سے کہیں تیار ہو جائے۔" اس بار بولا تو لہجہ دھیما مگر مستحکم تھا۔ احسان صاحب مسکرا دیے۔

"تم شاید آفس سے سیدھے یہیں آ رہے ہو' شہوار تو گھر واپس چلی گئی ہے' عفی لینے آیا تھا اسے۔" انہوں نے اسے مسکرا کر آگاہ کیا۔

اس غیر متوقع جواب پر عمر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"وہ ہمیشہ دیر کرتا ہوں۔" کی عملی تفسیر بنا گھر میں داخل ہوا تو گھر میں نامانوس سا شور اور ہنگامہ تھا۔ صحن میں بچوں کی چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ وہ حیران پریشان آگے بڑھا۔ اتنے میں ایک بچہ بھاگتے بھاگتے اس سے ٹکرایا۔

"کون ہو بھئی تم۔" اس نے اسے پکڑتے ہوئے ڈپٹ کر پوچھا۔

"ہاں جی یہ وقت بھی آنا تھا۔ میرے ہی بچوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کون ہیں؟" اتنے میں پیچھے سے کسی نے اس کے شانے پر زوردار دھپ رسید کیا تھا۔ وہ چونک کر پیچھے مڑا۔

"چھوٹی خالہ!" سامنے موجود ہستی کو دیکھ کر وہ خوش گوار حیرت میں گھر گیا۔

"شکر ہے چھوٹی خالہ کو تو پہچان لیا۔" وہ ہنسی تھیں۔

"آپ کو نہیں پہچانوں گا اب ایسے بھی حالات نہیں۔" وہ مسکراتا ہوا ان کے ساتھ اندر کمرے میں داخل ہوا' جہاں باقی افرادِ خانہ براجمان تھے۔

"خالو جان نہیں آئے کیا؟" اس نے ایک نگاہ کمرے میں موجود افراد پر ڈالی۔

چند لمحوں کے لیے نگاہ چمپئی رنگت والی پیاری سی لڑکی پر ٹھہر گئی تھی' پھر اس کے چہرے پر سے نگاہیں ہٹا کر دوبارہ چھوٹی خالہ کو مخاطب کیا۔

"تمہارے خالو جان کی وجہ سے ہی تو آنے میں اتنی دیر ہو گئی۔ کب سے ان کی چھٹیوں کے انتظار میں تھے' آخر اب مجھ سے صبر نہ ہوا۔ تمہاری دلہن کو دیکھنے کے لیے جی بے چین ہوا جا رہا تھا' بس ہمت کر کے خود ہی آ گئی' اتنے ڈھیر سارے بچوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی' کیسا ڈر' کہاں کی پریشانی' مزے سے سفر کٹا' تم تو دلہن کو ہم سے ملوانے لائے نہیں۔ اشتیاق کے مارے ہم خود ہی دوڑے چلے آئے۔"

"دنیا جہان کے مصروف بندے ہیں' انہیں کب فرصت ہے کہیں آنے جانے کی' اب تم دیکھ لو کس وقت گھر لوٹا ہے یہ۔ سارے دفتر کی ذمہ داری ایک میرے بیٹے کے کندھوں پر ہی تو ہے۔" اماں کا طنز خالہ تو کیا سمجھتیں وہ بخوبی سمجھ گیا تھا۔

"میں آپ کو بتا کر تو گیا تھا اماں کہ آج میں دیر سے آؤں گا۔ دراصل آفس سے واپسی پر میں احسان انکل کی طرف چلا گیا تھا۔ سوچا تھا انکل کی خیریت بھی دریافت کر لوں گا اور شہوار کو بھی لیتا آؤں گا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ شہوار تو عفی کے ساتھ آ گئی ہیں۔ بس انکل کے ساتھ باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔" وہ بہت اطمینان اور آرام سے بولا تھا' مگر کمرے میں موجود سب لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

شہوار نے بھی نگاہیں اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"احسان بھائی کا حال پوچھتے تو میں بھی جاؤں گی۔ کتنا عرصہ ہو گیا ان سے ملے ہوئے' آخری بار ان سے ملاقات ہوئی تھی تو یہ شہوار چھوٹی سی تھی۔ ایسی پیاری گڑیا سی لگتی تھی اور بڑے ہو کر تو ماشاء اللہ اور بھی رنگ روپ نکالا ہے' سچ آپا! بالکل چاند' سورج کی جوڑی لگتی ہے' اپنے عمر اور شہوار کی۔ آپ نظر اتارتی رہا کریں۔" چھوٹی خالہ نے دونوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سورج سے یاد آیا اماں! آپ تو روز منہ اندھیرے میں اٹھتی ہیں' آپ نے دیکھا ہو' آج سورج کہاں سے نکلا

www.pkdigest.com

تھا۔" عفی عمر کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بڑبڑایا، عمر مسکرا کر رہ گیا۔

ابھی گھر والوں کی حیرت کم ہونے میں کچھ وقت لگنا تھا اور اس سے پیشتر چھوٹی خالہ سب کی حیرانی بھانپ پائیں، اس نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

"اور سنائیں خالہ! آپ کی ساس کا کیا حال ہے، ابھی بھی ان کا مزاج اتنا ہی تیز ہے۔"

یہ ایسا موضوع تھا جس پر چھوٹی خالہ کئی گھنٹے بلا تکان بول سکتی تھیں اور اب اسے پورے صبر و تحمل سے ان کی بات سننی تھی سو چپ چاپ سنے گیا۔

☆ ☆ ☆

"گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور میں ہرگز نہیں چاہتی کہ کسی کو بھی تمہارے اور شہوار کے تعلق کے بارے میں باتیں بنانے کا موقع ملے، چاہے وہ میری چھوٹی بہن ہی کیوں نہ ہو۔" رات کے کھانے کے بعد اماں اس کے پاس کمرے میں آئی تھیں اور سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں عمر بخوبی سمجھ گیا۔

"لوگ رائی کا پہاڑ بنانے میں ماہر ہوتے ہیں عمر! اگر تمہاری چھوٹی خالہ کو بھنک بھی پڑ گئی کہ شہوار میرے پاس سوتی ہے تو جانے وہ آگے جا کر اس بات کو کس انداز میں پھیلاتی ہیں۔ اب یہ تمہارے اوپر ہے کہ تم اپنا، ہمارا اور سب سے بڑھ کر اس بچی کا بھرم کیسے رکھتے ہو۔" اماں بہت دلگرفتی سے اس سے مخاطب تھیں۔

اور وہ جو سمجھ رہا تھا کہ شام کو اپنا احسان انکل کے ہاں جانے کا بتا کر اس نے اماں کو مطمئن کر دیا ہے، اپنی خام خیالی پر ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ اماں اب بھی اتنی ہی بے اعتبار اور بدگمان تھیں، شاید انہوں نے اس کی بات کا یقین ہی نہ کیا تھا۔

"اماں میں آپ کا بہت ناخلف بیٹا ہوں۔ میں نے آپ کو بہت ستایا، اگر آپ نے مجھے سکھایا ہوتا کہ اپنی کسی غلطی پر معافی کیسے مانگی جاتی ہے تو ہو سکتا ہے میں اس وقت آپ کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہوتا۔" اس نے مسکرا کر اماں کے ہاتھ تھامے تھے۔ اماں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"آپ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں اماں اور میری زندگی سے متعلق آپ نے جو بھی فیصلے کیے وہ بہترین ثابت ہوئے اور خاص طور پر یہ آخری فیصلہ۔ شہوار کو میری زندگی میں شامل کر کے آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، ورنہ اگر پسند کی لڑکی ڈھونڈنے کے لیے آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی جوتیاں چٹخاتا تو ہم دونوں کی جوتیاں گھس جاتیں، مگر شہوار جیسی لڑکی نہ مل پاتی۔" وہ ہنستے ہوئے ان کی پرانی بات کا حوالہ دے رہا تھا۔

"تو مذاق کر رہا ہے عمر!" اماں اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ چھڑواتے ہوئے بے یقینی سے بولی تھیں۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں اماں! شہوار میرا نصیب ہے، بلکہ میری خوش نصیبی کہ وہ میری زندگی میں شامل ہوئی، میں اسے اپنانے سے انکاری رہا، وہ میری ماضی کی کم عقلی تھی اور اگر آپ چھوٹی خالہ کی آمد کی وجہ سے پریشان ہیں تو پلیز بے فکر ہو جائیے۔ میرے لیے تو چھوٹی خالہ رحمت کا فرشتہ بن کر آئی ہیں، ورنہ میں تو کئی روز سے سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر آج بھی آپا اپنا تکیہ سنبھالتے ہوئے میرے پاس سونے پہنچ جاتے تو میں ان سے کیسے کہہ پاتا کہ آپ اپنی نیک بخت کے پاس جائیے اور میری نیک بخت کو میرے پاس بھیج دیجیے۔" وہ سر کھجا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

دنیا میں ایک ماں ہی تو ایسی ہستی تھی جن سے وہ ہر بات بلا جھجک کہہ سکتا تھا۔ اس کی بات سن کر اماں سے چند لمحوں کے لیے تو کچھ بولا ہی نہ گیا اور جب بولیں تو خوشی کے مارے ان کی آواز کپکپا گئی تھی۔

"اللہ تجھے ہمیشہ خوش رکھے۔" انہوں نے وفور مسرت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"اچھا آپ چھوٹی خالہ سے کہیں کہ بچوں کو تیار کر دیں۔ ضد کر رہے تھے کہ آئس کریم کھانی ہے۔ میں انہیں کچھ گھما پھرا کر آئس کریم کھلا لاتا ہوں۔" اس نے اماں کی آنکھوں میں نکلتے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھتے ہوئے کہا۔

اماں اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

"کمرہ تو یہ بھی چھوٹا ہی ہے اماں! ہم سب اس کمرے میں کیسے سمائیں گے؟" وہ ابھی ابھی بچوں کو سیر کروا کر لایا تھا اور جیسے ہی دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہوا تو شہوار کو کمرے کے عین وسط میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ کوئی جواب نہ ملنے پر شہوار نے بھی پلٹ کر دیکھا، پھر



اسے دیکھ کر بکابکا رہ گئی تھی۔

"کمرہ واقعی چھوٹا ہے، لیکن میرا خیال ہے ہم دونوں کا گزارا تو آسانی سے ہو جائے گا۔ اصل گھمسان کا رن تو اماں کے کمرے میں پڑا ہے۔ چھوٹا سا کمرہ، ایک ماں، ایک خالہ، ان کے پانچ عدد بچے، چھوٹے گھر کا یہی نقصان ہوتا ہے، اگر اتفاق سے مہمان آجائیں تو رحمت کے بجائے زحمت لگنے لگتے ہیں۔ اگلے سال میری پروموشن ہوگی تو ہو سکتا ہے کمپنی کی طرف سے رہائش بھی مل جائے، اس وقت تک تو ایسے ہی گزارا کرنا ہے۔" وہ ایسے ہلکے پھلکے انداز میں مخاطب تھا جیسے دونوں کے درمیان برسوں کی بے تکلفی ہو۔

"اماں نے مجھے یہاں بھیجا تھا کہ میں دیکھ کر آؤں یہاں کتنے بندوں کے سونے کی گنجائش ہے، اماں کہہ رہی تھیں کہ خالہ، اماں، میں اور خالہ کے دو بچے یہاں سوئیں گے، باقی بچے عفی، اجو کے ساتھ..." اس نے جلدی سے اپنی یہاں موجودگی کی وضاحت دی تھی۔

"ہاں لیکن اب اماں، خالہ اور ان کے بچے وہاں ہی سو رہیں۔ عفی نے نیچے فرش پر بستر جما دیا ہے۔ خالہ کے بچوں کو فرش پر سونے کی عادت ہے۔" اس نے شہوار کو آرام سے آگاہ کیا۔

وہ چند لمحوں تک کچھ نہ بول پائی، بس حیران پریشان اسے تکتی رہی۔

"بیٹھ جاؤ در شہوار! اور یوں اتنا ہراساں ہو کر مجھے مت دیکھو۔ میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ تمہاری نگاہوں کی تاب نہ لا پاؤں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بہت نرمی سے بولا تھا۔

در شہوار اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے باہر جانے کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"اگر تم اب چلی بھی گئیں تو واپس یہیں آنا پڑے گا۔ اس کمرے میں تمہاری گنجائش قطعاً نہیں نکلے گی اور پھر ہمیں یوں الگ الگ دیکھ کر خالہ کیا تاثر لیں گی، اماں کو کتنی خفت کا سامنا کرنا پڑے گا، تم اپنا یا میرا نہیں اماں کا ہی خیال کر لو۔" وہ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ چکی تھی، جب پیچھے سے عمر نے اسے پکارا۔

وہ چند لمحوں تک کسی سوچ میں مبتلا رہی، پھر جیسے تھک ہار کر واپس مڑی، عمر نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"میں تھوڑی دیر کے لیے یہاں بیٹھ رہی ہوں، جب اماں اور خالہ سو جائیں گے تو میں بھی اوپر جا کر اسٹور میں سو جاؤں گی۔" اس نے بیڈ کے کونے پر ٹکتے ہوئے گویا اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

"بے شک سو جانا، ویسے عفی بتا رہا تھا کہ اسٹور میں بلی نے بچے دے رکھے ہیں۔ رات بلی اپنے بچوں کے پاس ہی گزارتی ہے۔ چلو خیر تمہیں تو بلی سے ڈر نہیں لگتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا، مگر شہوار کے بے یقینی سے چہرے پر نگاہ ڈالی تو ہنس پڑا، مگر اگلے ہی پل سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

"مسئلہ قطعاً یہ نہیں ہے کہ کہاں سویا جائے۔ اگر تم چاہو گی تو میں اوپر جا کر سو جاؤں گا۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز تم ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اور مجھے موقع دو کہ میں اپنے گزشتہ رویوں پر تم سے معذرت کر سکوں۔ مجھے معلوم ہے ماضی میں میرے رویوں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ محض ایک لفظ سوری کہہ دینے سے ان رویوں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت ۔۔۔۔ 250/- روپے
اک نکتۂ ایمان
سعدیٰ حمید چودھری
قیمت ۔۔۔ 250/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

کی تلافی نہیں ہو سکتی' لیکن پھر بھی میرے پاس اس لفظ کے سوا کہنے کے لیے کچھ نہیں۔" وہ بہت پشیمانی کا احساس لیے اس سے مخاطب تھا۔ دُرِ شہوار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں' کس چیز نے آپ کو یہ سب کہنے پر مجبور کیا۔ میرے پاپا کی بیماری' اماں کی ناراضی یا ابا کی خفگی؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"اگر میں کہوں میرے دل نے تو..." کچھ توقف کے بعد وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو میں کہوں گی آپ ایک نمبر کے جھوٹے شخص ہیں۔" اس نے بہت سرعت سے اس کی بات کاٹی تھی۔ عمر ٹھنڈا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس کی کہی گئی کسی بات پر یقین نہیں کرے گی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تمہیں اپنے دل کا حال کیسے سناؤں؟" وہ بے بس ہو کر بولا۔

"اور مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے۔ یقین کریں عمر! میں آپ کے کسی رویے پر آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتی۔ آپ نے جو رویہ اپنایا' آپ اس میں حق بجانب تھے۔ آپ کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو ایسا ہی رویہ اپناتا۔ ظاہر ہے آپ کی زندگی میں کسی کو زبردستی شامل کر دیا جائے' یہ کہاں کا انصاف ہے؟ شریکِ سفر کے لیے ہر شخص نے اپنے ذہن میں خاکہ تراش رکھا ہوتا ہے۔ محض کسی کی مرضی اور خوشی کی خاطر تو سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ زندگی بھر کے ساتھ کا معاملہ ہے۔ اگر میں آپ کو اچھی نہیں لگتی تو آپ میرے ساتھ زندگی گزارنے کے پابند نہیں۔"

وہ بہت رسان سے بول رہی تھی۔ عمر ایک بار پھر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ یہ زریں ارشادات جن کا وہ حوالہ دے رہی تھی یقیناً" ماضی میں اس نے اسی کے منہ سے سنے تھے' اماں کی باتوں کے جواب میں وہ جانے چڑ کر کیا کچھ بول دیتا تھا' اب ان بے بنیاد باتوں کی صفائی دینا کتنا مشکل لگ رہا تھا۔

"یہ زندگی بھر کے ساتھ کا معاملہ ہے' اسی لیے تو میں تمہارے سنگ زندگی گزارنا چاہتا ہوں شہوار!" وہ تھک ہار کر بولا۔

اسے اس بات کا یقین دلانا کہ وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بن چکی ہے' بہت مشکل لگ رہا تھا۔ اوپر سے شہوار کا رویہ۔ کاش! وہ اس سے شکوہ کرتی' شکایت کرتی' لیکن شاید شکوہ اپنوں سے کیا جاتا ہے اور وہ اسے اپنا سمجھتی ہی نہ تھی۔

"میری ذات آپ کی خوشیوں کی راہ میں ہرگز رکاوٹ نہیں بنے گی۔ آپ اپنی زندگی' اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتے ہیں' اگر آپ مجھ سے تعلق قائم نہیں بھی رکھنا چاہتے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' البتہ اس گھر اور اس کے مکینوں سے میرا تعلق ہمیشہ برقرار رہے گا۔" وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھی۔ عمر شدید دکھ کی لپیٹ میں آگیا۔ کس آسانی سے اس نے تعلق ختم کرنے کی بات کر ڈالی تھی۔

"تمہیں واقعی میری ذات سے منسلک رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر آپ کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اس بار شہوار نے نگاہیں چراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تو میں اتنی دیر سے فارسی بول رہا ہوں کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے' تم سے محبت ہے' اور میں زندگی تمہارے ساتھ ہی گزارنا چاہتا ہوں۔" اسے یک دم غصہ آگیا تھا۔

"آپ عفی یا ابو کی طرح مجھے بلاوجہ ڈانٹ نہیں سکتے۔" شہوار روہانسی ہو گئی تھی۔ عمر کو اس کے اس انداز پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔

"میں تمہیں ڈانٹ نہیں رہا صرف بتا رہا ہوں کہ میں محبت کرنے لگا ہوں تم سے' آج سے نہیں بلکہ بہت عرصہ پہلے سے۔" اس بار بہت نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

"آپ پھر جھوٹ بول رہے ہیں۔ ماضی میں کبھی آپ کے کسی رویے نے مجھے اس بات کا احساس نہیں دلایا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" وہ شکوہ کر بیٹھی' عمر کے لب مسکرا اٹھے گویا اپنائیت کے مرحلے طے ہو رہے تھے۔

"اگر میں تم سے محبت نہ کرتا تو چپ چاپ وہ ملغوبہ نما چیز کھا لیتا جس کو سوچ کر ہی آج بھی منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔" اس نے اسے یاد دلایا۔

"وہ محض مروت تھی محبت نہیں۔" شہوار اب بھی اس کی محبت سے انکاری تھی۔

"اچھا اور وہ جو میں تمہارے لیے گجرے لایا تھا۔" عمر کو بروقت یاد آیا۔

ماضی میں اگر یہ کارنامہ اس کے کھاتے میں درج ہو چکا تھا تو آج اسے یاد دلانے میں کوئی مضائقہ تو نہ تھا۔

"گجرے میں نے خود منگوائے تھے عفی سے۔ اس نے محض شرارت کی تھی آپ کے ساتھ۔" شہوار نے خفگی سے جتلایا' وہ سر کھجا کر ہنس پڑا۔

"میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس بھی تو لے کر گیا تھا۔" اس نے محبت کا ایک اور ثبوت پیش کیا۔

"بڑا احسان کیا تھا مجھ پر۔" وہ تنک کر بولی۔

"احسان کیسا اور ہاں یاد آیا تم نے ڈاکٹر کے پاس اپنا نام مسز عمر کیوں لکھوایا' حالانکہ تمہیں تو میری ذات' میرے حوالے سے کوئی سروکار ہی نہیں۔" اس نے ایک دم پوچھا تھا۔

"غلطی ہو گئی تھی مجھ سے۔ مجھے کیا پتا تھا کمپاؤنڈر میرا نام پکارتے پکارتے آپ تک پہنچ جائے گا۔" وہ خفیف ہو گئی تھی۔

"چلو تم نے اپنی غلطی مان لی' میں نے اپنی تمام غلطیوں کی معافی مانگ لی۔ اب کیا ہم ساری باتیں بھلا کر اچھے میاں' بیوی کی طرح نہیں رہ سکتے۔" اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"آپ نہ اچھے بیٹے ہیں' نہ اچھے بھائی۔ اچھے میاں کیا بنیں گے' اماں' ابا سے اتنی بدتمیزی کرتے ہیں آپ' عفی' ابو پر بلاوجہ کا رعب جماتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب کتنا پیار کرتے ہیں آپ سے' اتنا خیال رکھتے ہیں آپ کا۔"

"تم مجھے میری خوبیوں' خامیوں سمیت اپنا لو۔ تمہارے ساتھ رہوں گا تو خامیاں آپ ہی آپ خوبیوں میں بدل جائیں گی۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں' آپ واقعی مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں؟" شہوار نے نگاہیں اٹھا کر معصومیت سے دریافت کیا۔

"کیا لکھ کر دے دوں یا پھر مسجد میں جا کر لاؤڈ اسپیکر پر اعلان نشر کروا دوں کہ مجھے دُرِ شہوار نامی لڑکی سے محبت ہے۔" اس کا لہجہ پھر تیز ہو گیا تھا۔

"آپ کی آواز کسی لاؤڈ اسپیکر سے کم ہے کیا۔ پلیز آہستہ بولیں۔" دُرِ شہوار نے گھبرا کر اسے ٹوکا۔

"اوکے بابا۔" اس نے مسکراتے ہوئے بہت ہی دھیمے لہجے میں اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"اگر یہی تین لفظ تم بھی میرے کان میں کہہ دو تو مجھے اپنی خوش نصیبی پر مکمل یقین آجائے گا۔" اس نے محبت سے چور لہجے میں فرمائش کی تھی۔

"میں نے آپ کے لیے تین بار قبول ہے کہا تھا اور میری نانی کہتی تھیں کہ نکاح کے بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کے بعد میاں' بیوی کے درمیان محبت خود بخود ہی پروان چڑھ جاتی ہے۔" اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

"یہ تو تمہاری نانی کہتی تھیں نا تم کیا کہتی ہو۔" محبت کے اس اظہار پر عمر کا جی خوشی سے جھوم اٹھا تھا مگر وہ اسے شرارت سے چھیڑے بنا نہ رہ سکا۔

شہوار اس کا شرارتی لہجہ بھانپ گئی تھی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بہت دلچسپی سے اسے تک رہا تھا۔

"مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے۔" وہ ذرا سا رکی' پھر مسکرائی۔

"آج کے بعد آپ پلیز سب کے سامنے مجھے یوں نہ دیکھا کریں۔ آپ مجھے دیکھنے لگتے تھے تو ارد گرد کا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔ محبت کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں' جن کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے' وہ بھی اس صورت میں جب دو چھوٹے بھائی آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوں اور بہت دلچسپی سے آپ کی حرکتیں ملاحظہ کر رہے ہوں۔" اس بار شہوار نے بھی شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔ عمر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یعنی کہ تم..." اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"یعنی کہ ایک میں ہی کیا ہم سب جانتے تھے کہ آپ مجھ پر بری طرح لٹو ہو چکے ہیں' بس آپ کی ضرورت سے زیادہ لمبی ناک اظہار نہ کرنے دیتی تھی' آج خیر سے یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔" وہ اتراتے ہوئے مسکرائی تھی۔

عمر کچھ لمحوں تک اسے گھورتا رہا' پھر زوروں کی ہنسی آگئی تھی۔ شہوار کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اب زندگی کا سفر ایک محبت بھری سنگت میں بسر ہونا تھا یہ اسے یقین ہو چلا تھا۔

☆

www.pkdigest.com